Fifteen lectures

By

Dr. Allama. Imad-ud-Din Lahiz

پندرہ لیکچر

مصنفہ

علامہ ڈاکٹر عماد الدین مرحوم

1930

فہرست مضامین

پہلا لیکچر

سچے خدا کی صحیح شناخت کی ضرورت

تمہید

بھائیوں میں ایک عاجز اور کم استطاعت شخص ہوں۔ میں کچھ عرصہ کے لئے پھر 20 برس کے بعد پنجاب سے اس شہر آگرہ میں آگیا ہوں۔

پہلے جب میں یہاں تھا تب میں مسلمان تھا مگر میرے خیالات میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی جس کے سبب سے اب میں دس برس سے عیسائی ہوں۔

میرا ارادہ ہے کہ گاہے بگاہے اس مقام پر خدا شناسی کے متعلق چند باتیں عرض کروں لیکن نہ تو مباحثہ کے طور پر اور نہ طعن و تشنیع کے طور پر (کیونکہ مدت ہوئی کہ میں نے مباحثہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اس لئے کہ اس کے متعلق میری طرف سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کافی ہے)۔ صرف یاددہانی اور اظہار خیالات کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں جس سے امید ہے کہ مجھے بھی اور سامعین کو بھی روحانی فائدہ حاصل ہوگا۔

آج کے دن اسی بات کا بیان ہے کہ خدا کی صحیح شناخت کی سب کو بڑی ضرورت ہے

دنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس ضرورت سے کماحقہ واقف ہوں اگرچہ زبان سے تو سب کے سب اس ضرورت کا اقرار کرتے ہیں لیکن اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس سے اب تک ناواقف ہیں کیونکہ ان کی ساری کوشش نفس پروری ۔عیش طلبی وعشرت نوازی اور جلب منفعت میں صرف ہوتی ہے ۔ جب خدا شناسی کے متعلق ان سے کہا جاتا ہے کہ تو عدیم الفرصتی کا عذر پیش کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس ضرورت سے اب تک ناواقف ہیں۔

اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے اس ضرورت کو ثابت کروں

میں نے اس بحث کو خدا کی ہستی کے ثبوت سے شروع نہیں کیا کیونکہ خدا کی ہستی تو عقلاً ونقلاً سب کو مسلم ہے خواہ وہ عیسائی ہو یا مسلمان یہودی ہو یا ہندو کسی کو اس سے انکار نہیں ہے۔ تاہم خدا کی ہستی کے متعلق بطریق اختصار اس قدر لکھنا کافی ہے کہ :

(1)دنیا کی پیدائش اور انتظام میں ایک عجیب حکمت اور قدرت اور ارادہ پایا جاتا ہے جو خدا کی ہستی کی دلیل ہے۔

(2) انسانی ضمیر بھی خدا کی ہستی پر گواہی دیتا ہے خلوت میں اور جلوت میں قادر مطلق کی ہستی کا دبدبہ انسانی ضمیر پر نمایاں نظر آتا ہے۔

(3) اس سطح زمین پر تمام بنی نوع انسان کی مختلف شاخیں کسی نہ کسی معبود کی پرستش کرتی ہیں جس سے خدا کی ہستی صاف ثابت ہوتی ہے۔

ہاں بعض ایسے بھی ہیں جو اس کی ہستی کا انکار کرتے ہیں لیکن ایسا کمبخت انسان بہت ہی کم نظر آتا ہے جس کی تردید میں تمام مذاہب کے علماء اپنے زبردست دلائیل کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

اس پر بھی اگر اس منکر کی اندرونی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ اگرچہ وہ اپنے خیالات کے اعتبار سے منکر معلوم ہوتا ہے مگر اس کی ضمیر میں خدا کی ہستی کا ثبوت نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے ۔ لیکن اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو دھوکا دے کر خدا کی ہستی سے انکار کرتا ہے اور بطور خود سمجھنے لگتا ہے کہ میرے افعال کا کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ۔

ایسے نفرتی شخص کی باتوں سے وہ کونسا دانا ہے جو موجودات اور ضمیر کی اس سنجیدہ گواہی کو چھوڑ کر اور اپنے ضمیر کا خون کرکے اپنے خالق کی ہستی کا انکار کرے۔

خدا تو ضروری ہے لیکن اس کا عرفان حاصل کرنا از بس ضروری ہے ۔

سوال ۔ کیا جھوٹے خدا بھی کہیں موجود ہیں ؟

جواب۔ فی الحقیقت تو کہیں موجود نہیں لیکن اکثروں نے فکر کی غلطی کے سبب سے اپنے ہاتھوں سے یا اپنے خیالوں سے اپنے ذہنوں یا اپنی عبادت گاہوں میں فرضی یا ذہنی خدا بنا رکھے ہیں اور اپنی روحوں کو ان کے سپرد کرکے بڑی خطرناک حالت میں پڑے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو سچے خدا کی ہستی سے کسی قدر واقف تو ہیں لیکن صحیح شناخت کی کوتاہی کے سبب سے قربت الہیٰ سے محروم ہیں۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ سچے خدا کی صحیح شناخت کی سب کو نہایت ضرورت ہے

اگرچہ اس ضرورت کے اثبات پر بہت سی دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن اس وقت صرف پانچ باتیں پیش کرتا ہوں۔

پہلی بات

یقیناً تمام موجودات سچے خدا کی ملکیت ہے۔ اور ہم ذی روح اور ذی عقل موجودات میں شامل ہیں۔ لہذا از بس ضروری ہے کہ سچا خدا اپنی شناخت کے وسیلہ سے ہماری روحوں میں سکونت کرے۔ ورنہ ہم باغی ہوکے ہلاکت کے فرزندوں میں شامل ہونگے۔

دوسری بات

یہ ہم پر فرض ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت کریں مگر یہ اطاعت اور فرمانبرداری ہو نہیں سکتی جب تک کہ خدا کو صحیح طور سے نہ پہنچانیں۔ آقا کی خدمت وہی نوکر کرسکتا ہے جو اپنے آقا کی عزت اور معراج اور ارادہ سے واقف ہے۔

تیسری بات

یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ دنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے۔ انسانی روح کسی کسی وقت اس کے چھوڑنے پر مجبور ہوگی اور موت کا مزہ چکھ لیگی پس اس خطرناک حالت میں کیا کرے۔ پاؤ پسار کے مرجائے یا عروۃ الوثقیٰ کو پکڑے پس سچے خدا کی صحیح شناخت کے سوا وہ کونسی چیز زمین وآسمان میں ہے جس کو ازروی عقل ہم تھام لیں۔

اگرچہ ہم میں سے بعض کی عقل تعلیم علوم اور اجتماع خیالات سلف اور قدرے وقوف حالات دنیاوی کی وجہ سے کسی قدر روشن ہے لیکن دل بالکل کالے ہیں۔

کیونکہ سب خواہشیں اور ارادے دلوں میں اٹھتے ہیں اور اعضا کے ذریعہ ظاہر ہوجاتے ہیں اور خود ہماری ضمیر گواہی دیتی ہے کہ ہمارے سب حرکات اور سکنات اور خیالات درست ہی نہیں ہیں اگرچہ کچھ کچھ درست بھی نظر آئے مگر زیادہ تر حصہ برائی کا ہم سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ہمارے دل تاریک ہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عقلی روشنی سے نہ کبھی دل روشن ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ پس دل کی روشنی کی بڑی ضرورت ہے لیکن وہ کہاں سے آئے؟ موجودات کی معرفت صرف عقل میں کچھ روشنی پیدا ہوتی ہے نہ دل میں چنانچہ یہ بات دنیا کے عقلاً کی تحریر وتقریر اور چال چلن سے ثابت ہے۔ تو بھی دنیا کے لوگوں میں سے چند ایسے بھی ہیں جن کے دل ضرور روشن ہیں اور اگرچہ ان میں مادی روشنی نہیں ہے مگر خداشناسی سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف خداشناسی سے دل روشن ہوتا ہے پس دل کی روشنی حاصل کرنے کے لئے تاکہ ہمارے قدم سلامتی کی راہ پر چلیں خداشناسی کی بڑی اور نہایت ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ اگر مادی علوم کی روشنی ہمارے اندر نہ ہو تو ہمارا چنداں نقصان نہیں ہے لیکن خداشناسی کی روشنی اگر ہمارے دلوں میں نہ آئے تو ضرور ہم ہلاک ہونگے۔ لیکن افسوس ہے کہ جس کی بڑی ضرورت ہے اس پر لوگ کم توجہ کرتے ہیں۔

پانچویں بات

خوشی اور غم اور دنیاوی تغیرات کے دیکھنے سے اور ہم پر وقتاً فوقتاً ان حالات کے طاری ہونے سے ہمارے دلوں میں اور پر ہماری عقلوں میں بھی کس قدر حیرانی اور بے قراری پیدا ہوتی ہے۔ دنیاوی خوش وقتی کی حالت میں ہم بچوں کی مانند کیسے بہل جاتے ہیں اور مصائب کے وقت کیسی بے قراریاں ظاہر ہوتی ہیں۔ غرض دنیا کے دکھ سکھ کی موجوں میں ہماری کشتی کیسی ڈانواں ڈول چلتی ہے لیکن خداشناس لوگوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو وہ ان حالات یعنی دنیا کے دکھ سکھ میں ایسے ثابت

قدم اور پر تسلی نظر آتے ہیں گویا وہ ایک دوسرے ہی قسم کے لوگ ہیں۔ نہ تو دنیاوی خوشی میں خوش ہوجاتے ہیں اور نہ دکھوں میں بے قرار نظر آتے ہیں۔ پس یہ عجیب نعمت انہیں کہاں سے حاصل ہے؟ سچے خدا کی صحیح شناخت سے۔

حاصل کلام

(1) خدا کی صحیح شناخت کی بڑی ضرورت ہے اور بغیر اسکے صاف ہلاکت نظر آتی ہے۔

(2) سچے خدا کی صحیح شناخت ایک موثر چیز ہے جو دل کو روشن کرتی ہے اور اطمینان قلبی اس سے حاصل ہوتا ہے۔

(3) بغیر اس شناخت کے نہ تو خدا کے حقوق ہم سے ادا ہوسکتے ہیں اور نہ بندوں کے حقوق ۔ اور سلامتی کی راہ پر ہم کسی طرح نہیں چل سکتے۔

انتباہ

ایک بڑی غلطی اور ہے جو ہلاکت کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ اکثر اہل اسلام یوں کہتے ہیں کہ شناخت الہیٰ ہمیں قرآن وحدیث سے حاصل ہو گئی ہے اور ہنود کہتے ہیں کہ شاستروں سے حاصل ہو گئی ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہمیں بائبل سے حاصل ہو گئی ہے اور اس لئے ہم کسی اور کی بات اس بارہ میں نہیں سنتے ہیں۔ نہیں یہ بیجا بات ہے ہمیں ضرور سب کی باتیں خداشناسی کے بارہ میں سننا واجب ہے اس میں ضرور ترقی ہوگی اگر ہمارے خیالات فاسد ہیں تو ضرور قوی خیالات انہیں اڑادینگے اور یہ تو اچھا ہے کہ باطل خیالات اڑجائیں اور اگر ہمارے خیالات قوی ہیں تو دوسروں کی بات سننے سے اور بھی زیادہ مضبوط ہونگے اور قابل اعتماد ٹھہرینگے نہ سننا یا توجہل مرکب کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ دوسرے کے خیالات سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ قوی نظر آتے ہیں۔ اس حالت میں باطل خیالات کو دبا کر بیٹھنا خود کشی کا مرتکب ہونا ہے اور یہ کہنا کہ وہ ہیچ اور پوچ بکتا ہے یہ مغروری کی بات ہے جو تاریک دل سے نکلتی ہے خدا ہم سب کو توفیق دے کہ خدا شناسی پر متوجہ ہوں ۔ مسیح کے وسیلہ سے آمین فقط۔

دوسرا لیکچر

خداشناسی کا وسیلہ

گذشتہ لیکچر میں اس شناخت کی ضرورت ان پانچ باتوں سے جو اس میں مذکور ہیں دکھلائی گئی تھی لیکن زیادہ غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرورت انسان کی روح میں مرکوز ہے اور یہ روح کی ایک خواہش یا اقتضا ہے۔

اگرچہ اس خواہش کو جوسب کی روحوں میں موجود ہے ۔ بعضوں نے دنیاوی لذایز کے حصول میں مصروف رکھا ہے۔ تو بھی بنی آدم کا ایک انبوہ کثیر اپنے ریاضات ومجاہدات وخیالات سے اس کا ثبوت دیتا ہے اور ہر دو فریق کی حالت کا بغور معائینہ کرنا اس الہیٰ شناخت کی ضرورت کو انسانی روحوں میں مرکوز دکھلاتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ دیوانوں میں اور ان بچوں میں جو حیوانوں کے ساتھ جنگل میں پلتے ہیں خدا کا خیال بھی نہیں ہے پس کیونکر کل بنی آدم کی روح میں اس کا ہونا یقین کرسکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ انسان جب تک انسانی درجہ میں ہے اس وقت تک یہ خواہش ضرور اس میں پائی جاتی ہے اور جب وہ اپنے درجہ سے خارج ہو کر حیوان کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے تب اس میں اس کے حقیقی اقتضا کی تلاش کرنا فضول ہے ۔ دیکھو اندھا آدمی دیکھ نہیں سکتا گونگا بول نہیں سکتا بہرہ سن نہیں سکتا لنگڑا چل نہیں سکتا بے وقوف سمجھ نہیں سکتا تو بھی جو انسان صحیح وسالم ہیں ان میں یہ صفات پائی جاتی ہیں پس بعض معذوروں کے سبب سے جن سے خاصوں کی کلیت میں فرق نہیں آسکتا ہے۔

جب یہ ضرورت روح میں جا گزین ہے تو اس کی تکمیل بھی ممکن ہو گی۔ کیونکہ جس نے روح میں خداشناسی کی خواہش رکھی ہے وہ اس خواہش کے پورا کرنے پر بھی قادر ہے ۔ ورنہ حکیم علی الاطلاق کا فعل عبث ٹھہریگا اور یہ محال ہے ۔

دیکھو جسم میں پیدا کرنے والے نے جو خواہشیں رکھی ہیں مثلاً کپڑے کی خواہش کھانے پینے کی خواہش وغیرہ اسی نے یہ انتظام بھی کیا ہے ۔ کہ سب کو خوراک اور پوشاک بطور مناسب پہنچے۔

اسی طرح روح میں جو جو خواہشیں اس نے پیدا کی ہیں کیا ان کے انتظام پر وہ قادر نہ ہوگا ضروری ہوگا روح کی خواہشیں بھی وہ پوری کرے گا اور کرتا ہے۔

پس یہ خواہش کہ میں اپنے خدا کو پہچانوں لوگوں میں ضروری پائی جاتی ہے لیکن اس کی تکمیل کے طریقے مختلف آدمیوں کے ایجاد کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً:

بہت سے لوگ ہیں جو خدا شناسی کے لئے تحصیل علوم کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں لیکن اس سے بجز اس کے کہ عقل زیادہ روشن ہوجائے اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ ان سے خدا شناسی سیکھیں چنانچہ وہ انہیں ریاضتیں اور مجاہدات اور ذکر فکر اور کچھ دیگر وظائف سکھلاتے ہیں لیکن ان سے بجز نفس کشی اور وہم چیزے دیگر حاصل نہیں ہوتی۔

اور بعض ایسے ہیں جو قیاسات پر زیادہ زور دیتے ہیں مگر یہ صرف عقلی برگشتگی ہے جس سے یا تو یاس یا دیوانگی یا سراسیمگی پیدا ہوتی ہے اور روح کی تشنگی ہرگز نہیں بجھتی۔ جنہوں نے ان سب باتوں کا تجربہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں سچ ہیں اور یوں ہی ہیں۔

ہمارے زمانہ میں اب اکثر لوگ دلائیل پر بہت زور دیتے ہیں پہلے اس ملک میں ریاضت پر بہت زور تھا مگر جب سے علم میں ترقی ہوئی اور بائبل آئی اس وقت سے یہ حال ہوا ہے کہ تصادم خیالات علمیہ اور الہامیہ کے سبب اکثر لوگ دلائیل عقلیہ کے زیر سائے پناہ لینے کو دوڑتے ہیں اور عقل کو صحیح شناخت کا کافی وسیلہ جانتے ہیں جس سے بڑی گڑبڑی مچی ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل خدا شناسی کا ایک وسیلہ ضرور ہے کیونکہ وہ انسان میں موجب شرافت اور موجب تکلیف شرعی ہے بلکہ ایک باطنی آنکھ ہے مگر وہ کامل اور کافی وسیلہ ہرگز نہیں ہے پس ہم نہ اسے رد کرتے ہیں اور نہ صرف اس کی ہدایت ہی کو کافی جانتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے سب اعضا اور حواس اگرچہ ہماری اس زندگی کے رفع حاجات کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مگر بیرونی طاقت کے بغیر وہ کافی نہیں ہیں۔ مثلاً جب تک بیرونی غذا سے طاقت اعضا میں نہ آئے وہ سب بیکار ہیں۔ آنکھ اگرچہ دیکھنے کا آلہ ہے لیکن بیرونی روشنی کی سخت محتاج ہے روح اگرچہ بدن کو زندہ رکھتی ہے لیکن سرچشمہ حیات سے قوت حاصل کرنے کی محتاج ہے۔ خیالات اگرچہ جولانی دکھلاتے ہیں مگر غذائی اور اعلیٰ طاقت سے بغیر وہ کچھ نہیں کرسکتے۔

تو کیا صرف عقل ہی ایسا جوہر ہے جس کو بیرونی طاقت کے بغیر کافی سمجھا جائے اور وہ تو گھٹتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہے اور اپنے فیصلوں کی ہمیشہ ترمیم بھی کیا کرتی ہے اور سارے اختلاف کی بنیاد بھی یہی ہے پس عقل کس طرح خدا شناسی کا کافی وسیلہ ہوسکتی ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ عقل عمدہ چیز تو ہے مگر کافی نہیں ہے پس اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھے رہنا کوتاہ اندیش آدمی کا کام ہے جو آخر میں پچھتائے گا۔

دیکھئے تو کہ عقل ہماری بعض ضروریات کے دریافت کرنے میں کیسی لاچار اور بے بس ہوجاتی ہے۔ مثلاً انسان کی ابتدائی حالت کا بیان کچھ نہیں بتلاسکتی کہ انسان کیونکر پیدا ہوا۔ اسی طرح ہماری انتہا کا حال نہیں بتلاسکتی کہ ہم کیا ہونگے۔ وہ تو اس شریعت کے سمجھانے میں بھی غلطی کرتی ہے جو ہمارے دلوں پر لکھی ہوئی ہے۔ مثلاً ہندوؤں کی عقل کے اعتبار سے جو باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں دوسروں کی عقل کے اعتبار سے وہی باتیں بری معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کی ذات وصفات کا بیان بھی تسلی بخش نہیں کرسکتی اگرچہ خدا کی ہستی پر گواہی دیتی ہے۔ لیکن یہ گواہی ہماری تسلی کے لئے کافی نہیں ہوسکتی ہے۔

یہ چار باتیں یعنی انسان کی ابتدا اور انتہا۔ نیکی اور بدی خدا کی ذات وصفات ایسی ہیں کہ جب تک ہمیں تسلی بخش طور پر نہ سمجھائی جائیں تب تک ہماری روحوں کی پیاس بجھ نہیں سکتی اور یہ بات عقل سے ناممکن ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ صرف عقل سے نہ خود شناسی ہمیں حاصل ہوسکتی ہے اور نہ خدا شناسی۔

پس جب عقل کی یہ کیفیت ہے کہ امور بالا کے متعلق کچھ نہیں بتلاسکتی ہے تو پھر بتلاؤ کہ اقتضائے شناخت الہیٰ جس کی بڑی ضرورت ہے کس طرح تکمیل تک پہنچ سکیگا۔

کیا ہمارا پیدا کرنے والا ہماری اس ضرورت اور اس لاچاری سے واقف نہیں ہے یا اس کی تکمیل پر وہ قادر نہیں ہے یا یہ خواہش بیجا ہے اور صرف وہم سے ہم میں پیدا ہوگئی ہے؟ ہرگز نہیں۔

بیشک خدا نے یہ خواہش ہمارے دلوں میں رکھی ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں یہ خواہش بے چینی کا باعث ہوگی اور ہم اس کو پورا کر نہیں سکتے ہیں ہم تو جسمانی خواہشوں یعنی بھوک پیاس وغیرہ کو بھی پورا نہیں کرسکتے ہیں چہ جائیکہ کہ اس اعلیٰ خواہش کو پورا کرسکیں۔

ہماری کیا طاقت ہے کہ قحط سالوں میں وبائی بیماریوں میں جبکہ لاکھوں انسان مرجاتے ہیں اپنی عقل سے اور اپنے انتظام سے خوراک پیدا کرسکیں یا ان امراض کو دفع کرسکیں۔ جب جسمانی خواہشوں کے جسمانی تکمیل کے درمیان ایک غیبی طاقت مصروف کار نظر آتی ہے تو روحانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے غیبی اور آسمانی مدد کیونکر کام کرسکتی ہے۔ شناخت الہیٰ کے لئے خدا سے مدد آنی چاہیے اور یہ مدد وہی ہے جس کا نام الہام ہے۔

پس شناخت الہیٰ کے لئے الہام کی بے حد ضرورت ہے اس طور پر کہ عقل جو ایک ناکافی وسیلہ ہے اور الہام سے قوت پا کے پورا اور کافی وسیلہ بن جائے۔

آنکھ جسمانی چیزوں کے دیکھنے کا وسیلہ ہے مگر سورج سے روشنی حاصل کرکے۔ اسی طرح عقل خدا شناسی اور خود شناسی کا وسیلہ ہے مگر آفتاب صداقت یعنی الہیٰ کرنوں یا الہام سے روشنی حاصل کرکے اسی طرح روح کی خواہش بھی پوری ہوسکتی ہے لیکن الہام الہیٰ کی مدد سے۔

اب میں صاف کہتا ہوں کہ جس طرح ہماری روح میں خدا شناسی کا اقتضا موجود ہے اسی طرح ہمارے خالق کی الوہیت میں اس اقتضا کی تکمیل کی امید ہونی چاہیے۔

اگر ہم اپنی پرورش اور اپنے دیگر حالات پر غور کریں تو ہمیں خوب معلوم ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ ہماری کمزوری اورلاچاری میں اس کی قوم اور اس کی طاقت اور اس کی حکمت اور اس کی مسبب الاسبابی ہمارے شامل حال رہی ہے تو کیا اب ہم ایسے ہوگئے کہ الہام کو ضرورت سے بے نیاز ہوگئے حالانکہ وہی عقل جو ہماری ضروریات مذکورہ بالامیں لاچار ہے اب بھی ہم موجود ہے پس یہ بڑی مغروری اور بڑی نادانی کی بات ہے کہ انسان الہام کی طرف سے بے پرواہ ہو اور صرف اپنی عقل پر تکیہ کرکے ہلاک ہو۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ الہام کی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ برہمو سماجی کہتے ہیں گویا وہ یہ کہتا ہے کہ آنکھ کے لئے آفتاب کی ضرورت نہیں یا زندگی کے لئے ہوا کی ضرورت نہیں ہے۔

شناخت الہیٰ کے لئے عقل انسانی کو الہام الہیٰ سے منور ہونے کی بڑی ضرورت ہے بغیر اس کے عرفان الہیٰ ناممکن ہے۔ نبی کے اس قول کو یاد کیجئے جہاں لکھا ہے کہ "تیرے سب فرزند خدا سے تعلیم پائینگے۔" خدا سے تعلیم پانا یہی ہے کہ ہماری عقلیں الہام یا انوار الہیٰ سے منور ہو کر خدا شناسی حاصل کریں۔

اب تک اس بات کا ذکر نہیں ہوا ہے کہ صحیح الہام کس کتاب میں ہے اگرچہ میں خوب میں جانتا ہوں کہ صرف بائبل میں صحیح الہام ہے لیکن اس کا ذکر پھر آئیگا اس وقت اس امر کا ذکر ہے شناخت الہیٰ کا وسیلہ عقل مع الہام ہے نہ تنہا عقل اور تنہا الہام کیونکہ جب ہماری آنکھیں کھلی ہوں اور سورج بھی نکلا ہو تب ہم اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں اور جب آنکھیں نہ ہوں اور رات ہو تو اندھیرے میں ٹٹولتے پھرینگے اس لئے عقل والہام دونوں کی ضرورت ہے۔

اور یہ ہدایت عقل ہی کی ہے کہ انسان الہام کا محتاج ہے اور بندوں میں اخذ کرنے کا اقتضا اور خدا میں عطا کرنے کا اقتضا موجود ہے پس خدا شناسی کے لئے صحیح الہام کی تلاش سب پر واجب ہے جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ جاتا ہے وہ ابد تک بھلائی کا منہ نہ دیکھ سکے گا۔

تیسرا لیکچر

الہام اور خدا شناسی

گذشتہ لیکچر میں اس بات کا بیان ہوا تھا کہ عرفان الہیٰ کے اقتضاء کی تکمیل جو ہر ایک کی روح میں موجود ہے صرف عقل سے نہیں ہوسکتی بلکہ اس کی تکمیل خالق سے ہوتی ہے اور اس لئے ہم الہام کے محتاج ہیں تاکہ عقل انسانی الہیٰ نور سے منور ہو کر اپنے خالق کو اچھے اور سچے طور پر جان سکے اس پر اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو باتیں عقل سے دریافت نہیں ہوسکتی ہیں وہ الہام سے بھی دریافت نہیں ہوسکتی ہیں۔

در حقیقت یہ اعتراض بے توجہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔شاید معترض نے یہ سمجھا کہ الہام ایک ایسی چیز ہے جس سے لاانتہا معرفت حاصل ہوسکتی ہے اور ہر ایک شئے کی حقیقت اور دنیاومافیہا کے رموز اس کے وسیلے سے اس طرح ہوتے ہیں جس طرح بعض باتیں عقل سے حل ہوتی ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ یہ تیسرا لیکچر الہام کے متعلق دیا جائے کہ الہام کے لئے بھی ایک حد ہے جہاں تک اس کا حد کا تعلق ہے وہاں تک وہ لاریب ہماری رہبری کرتا ہے۔ اور جو باتیں اس کی حد میں داخل نہیں وہ ان سے تعرض نہیں کرتا۔ الہام کی حد ازروئے عقل ازقرار ذیل ہے:

عقل کے اس ناطق حکم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس بے مثل اور لاشریک خدا کی نہ علم میں نہ قدرت میں ، اور نہ کسی اور بات میں کوئی مخلوق ہر گز برابری نہیں کرسکتا ہے کیونکہ یہ بات ناممکن اور محال ہے۔

معرفت کا لب لباب یہ ہے کہ خدا کی نسبت ہمارے ذہن میں صحیح خیالات پیدا ہوں اور ہماری حالت اور کیفیت ہم پر آئینہ ہو جس سے ہماری روحوں میں تازگی اور تسلی پیدا ہوجائے اب ظاہر ہے کہ وہ سب خیالات خواہ عقل کی وساطت سے پیدا ہوجائیں یا خارجی دلائل ہمیں ان کی تسلیم پر مجبور کریں ہر حالت میں الہام انسان کو عقل کی نسبت کچھ زیادہ روشنی اور کچھ زیادہ علم اور کچھ زیادہ عزت بخشتا ہے ۔ وہاں خدا کی مانند ہمیں عالم حقائق نہیں بناسکتا نہ غیر ممکنات کو ہمارے لئے ممکنات کہہ سکتا ہے۔

جن چیزوں کو عقل صفائی کے ساتھ دریافت نہیں کرسکتی ہے الہام انہیں صفائی کے ساتھ بتلاتا ہے

مثلاً خدا کی قدرت اور حکمت اور اس کے اکرام اور جن کو ہم اس دنیا میں عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اس قدر صاف اور واضح معلوم نہیں ہوتے ہیں جس قدر الہام الہیٰ کے ذریعہ سے وہ روشن تر اورشفاف تر معلوم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کا دل جو محض عقل کے پیرو ہوتے ہیں خدا کی حکمت اور قدرت سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا ہے جس قدر کہ الہام کے پیروں کا دل متاثر اور متشکر ہوتا ہے۔

اس کے سوا خدا کی بہت سی ایسی عجیب وغریب قدرتیں اور حکمتیں اور بخششیں ہی جو صرف الہام ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں اور عقل کی وہاں تک کبھی رسائی نہیں ہوتی ہے۔مثلاً نجات کی حکمت اور خدا کی صحبت اور گناہوں کی مغفرت اور روحانی انعام اور دلوں کی تبدیل اور برکات کے فیضان وغیرہ ذالک ایسے امور ہیں جہاں تک عقل کی رسائی ممکن نہیں لیکن الہام سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

دوم۔ یہ کہ اس الہیٰ شریعت کو دلوں پر منقش ہے اور جس کو عقل نے دھندلاسا دیکھا تھا اور اس کے مطلب کے سمجھنے میں غلطیاں کرکے آدمیوں کو گمراہ کیا تھا نہایت صاف اور غیر مبہم طور پر بتلاتا ہے کہ دلی شریعت کا کیا مطلب ہے انصاف ،رحم ، پاکیزگی ، فضل، خوش، اخلاقی اور فروتنی وغیرہ کے کیا معنی ہیں۔

سوم۔ یہ کہ الہام نے ہماری حالت کو ہم پر یہاں تک ظاہر کیا ہے کہ اب ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم کیسی خواہشات نفسانی اور مہلکات روحانی میں پھنسے ہوئے ہیں یہ کام نہ تو عقل سے ہوسکتا تھا اور نہ اس نے کیا۔ الہام کے وسیلہ سے ہم اپنی تمام اندرونی اور بیرونی بیماری اور خطروں کو صفائی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں اور ان کے معالجہ اور دفعیہ کے لئے اس کے کلام سے امداد لے سکتے ہیں۔ گویا کہ الہام ایک شیشہ کا حوض ہے جس پر ہم وضو کرتے ہیں جہاں ہم اپنے چہرے کے داغ کو خوب دیکھ

دیکھ کر دھوتے ہیں۔ یا ایک خوردبین ہے جو ہماری عقل کے ہاتھ آگئی ہے جس کے ذریعہ سے باریک سے باریک چیز کو دیکھ سکتی ہے۔

الہام ان باتوں کو بتلاسکتا ہے جن کو عقل نہیں بتلاسکتی ہے یا جن کے متعلق تذبذب رہتی ہے

اور یہ اس لئے ہے کہ پہلے الہام نے دو باتیں ہمیں دکھلاکے ہماری عقلوں کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے جن کا انکار ہماری عقلیں ہر گز نہیں کرسکتیں۔

اول یہ کہ الہام نے ان امور عقلیہ کو جن کا ذکر اوپر ہوگیا ہے زیادہ صاف دکھلاکے ہمیں اپنا بے حد معتقد بنالیا ہے دوم یہ کہ قدرت اور حکمت الہیٰ کے ساتھ ظاہر ہو کر ہمیں یقین دلاتا ہے کہ وہ اس خدا کی طرف سے ہے جس کو عقل قادر مطلق اور حکیم علی الاطلاق کہتی ہے۔

اس لئے ان دو خارجی دلیلوں کے سبب سے جو کچھ الہام بتلاتا ہے عقل مجبوراً اس کو قبول کرلیتی ہے ۔ پس جو کچھ الہام کہتا ہے وہ ضرور سچ ہے کیونکہ اس کی سچائی کے برخلاف ہمارے پاس کوئی مستحکم دلیل نہیں ہے لہذا جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا ماننا ہم پر فرض ہے یا تخصیص ان امور کے متعلق جن کا تعلق ذات وصفات الہیٰ کے ساتھ ہے کیونکہ ان امور کے متعلق عقل بالکل لنگی ہے پس ایسے مقامات میں الہام ہماری عقلوں سے کے لئے مثل دوربین کے ہوگا۔ یعنی الہام عقل کی حد میں عقل کے لئے مثل خوردبین کے ہے اور عقل کی حد کے باہر اس کے لئے مثل دوربین کے ہوگا اور پہلے مقام میں عقل یوں گواہی دیگی کہ جو کچھ میں دھندلا سا دیکھتی تھی اب اس خوردبین کے وسیلہ سے صاف دیکھتی ہوں اور دوسرے مقام میں یوں بولے گی کہ اب میں آئینہ میں دھندلا سا دیکھتی ہوں۔

الہام اس دکھلانے اور بتلانے میں کچھ بخشتا بھی ہے

جو عقل اپنے دکھلانے اور بتلانے میں ہر گز نہیں بخش سکتی تھی اس لئے انسانی روح عقل کی یاوری کے باوجود بھوکی اور پیاسی رہتی تھی۔

الہام کیا بخشتا ہے ؟ وہ ایسے اعلیٰ تاثیرات روح میں پیدا کرتاہے جو غلط اور صرف عقلی خیالات سے کبھی پیدا نہیں ہوسکتے ہیں مثلاً:

باطنی پاکیزگی ،خدا کی حضوری ، حقیقی تسلی، زندہ ایمان اور امید حقیقی خوشی کا بیعانہ جو صحیح عرفان کا پہلا پھل ہے۔ دلاوری جو چرخ کج رفتار کے دکھ سکھ کی موجوں میں ابدی سفر کی بندرگاہ میں ہماری مدد کرے۔ پس الہام یہاں تک ہماری مدد کرسکتا ہے اور یہ مدد ہماری حالت موجودہ کے لئے کافی اور وافی ہے اس سے زیادہ توقع رکھنا طمع بیجا ہے ۔ ہاں اس زندگی کے بعد ہم بہت کچھ دیکھینگے لیکن وہاں بھی خدا کی مانند عالم حقائق ہر گز نہ ہونگے خواہ کتنا ہی تقرب کیوں نہ حاصل ہو کیونکہ مخلوق خالق کے برابر ہر گز نہیں ہوسکتا۔

جب الہام کی مدد کی حد معلوم ہوگئی تو اب یاد کیجئے کہ وہ پانچ باتیں جو پہلے لیکچر میں شناخت الہیٰ کی ضرورت دکھلاتی ہیں الہام ہی کے وسیلہ سے تکمیل پاسکتی ہیں۔

مثلاً (1) خدا کی شناخت اس قدر عرفان کے وسیلہ سے ہماری روحوں میں کافی ہے (2) خدا کی درست اطاعت اس قدر شناخت سے ہوسکتی ہے (3) خطرناک حالت میں اس قدر شناخت ہمارے لئے عروۃ الوثقیٰ ہے (4) دل کی روشنی کے لئے یہ شناخت ایک کافی چراغ ہے (5) زمانہ کی رنگارنگی میں ثبات حاصل کرنے کو یہ شناخت جو الہام سے پیدا ہوتی ہے بس ہے۔

اگر ہم الہام کو قبول نہ کریں اور صرف عقل کی پیروی کو کافی سمجھیں تو یقیناً ہم ایسے امور سے دوچار ہونگے جن کا انجام بجز توہمات اور تخیلات اور یاس وحرماں کے اور کچھ نہ ہوگا بقول شاعر کہ :

یہاں فکر معیشت ہے وہاں وغدغہ حشر
آسودگی حرفی ست یہاں ہے نہ وہاں ہے

لیکن جنہوں نے عقل والہام سے معرفت حاصل کی ہے وہ لوگ یہاں معرفت الہیٰ سے آسودہ ہیں اور وہاں صحبت الہیٰ سے کامل آسودگی میں داخل ہونگے سیدنا مسیح کے وسیلہ سے آمین ۔ فقط۔

چوتھا لیکچر

الہام کی شناخت

جب الہام عقل کے ساتھ معرفت الہیٰ کاوسیلہ ٹھہرا تو اب یہ دریافت باقی رہ جاتی ہے کہ صحیح الہام کہاں ہے کیونکہ کئی ایک کتابیں ایسی ہیں جن کی نسبت الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور چونکہ ان کی بعض تعلیمیں آپس میں مختلف ہیں لہذا اس امر کا دریافت کرنا از بس ضروری ہے کہ ان میں سے کونسی کتاب الہامی ہوسکتی ہے۔

چونکہ دنیا میں فریب اور دھوکا بھی بکثرت نظر آتا ہے ۔ اس لئے صحیح الہام بڑی فکر وغور کے بعد معلوم ہوسکیگا۔ ہر فکر بھی صحیح نہیں ہوتا ہے کیونکہ اہل کذب اور دھوکے باز اور فریبی لوگ بھی کچھ فکر رکھتے ہیں پس طالب حق کو چاہیے کہ پہلے پوری طاقت فکری کے ساتھ فکر کی صورت پر غور کرے۔

فکر کرنا اور بات ہے اور فکر کی صورت پر کہ میں کس طرح سے فکر کرتا ہوں غور کرنا اور بات ہے۔

فکر کی صحت کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ عقلی یا نقلی خیالات یا گذشتہ واقعات کے مقدمات کو ذہن میں ترتیب دے کر نتیجہ اخز کریں بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہم ان غلطیوں کو زیر نظر رکھیں جو اکثر مقدمات کے ترتیب دینے میں واقع ہوتی ہیں ورنہ مقدمات کی ترتیب سے جو نتیجہ نکلیگا وہ غلط ہوگا اور روح کے لئے باعث ہلاکت۔

پس منبع خیالات یعنی حس روحانی کا خلوص اس معاملہ میں تلاش کرنا واجب ہے تاکہ اس میں تعصب اور حمایت اور نفسانی اغراض کی آمیزش نہ ہو کیونکہ اغراض نفسانی اوربیجا جوش ہمیشہ صحت فکر میں مانع ہوتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ دنیا میں اسی قسم کے لوگ کلایاً جزاً سچائی سے الگ رہے ہیں۔

حس روحانی میں نہ صرف خلوص نیت کافی ہے بلکہ انسان کی دلی تمنا یہی ہونی چاہیے کہ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں خدا کی مرضی پر چلو نگا۔ وہ یہ کہ میں زمین پر مسافر ہوں کچھ عرصہ کے بعد یہاں سے بالکل چلاجاؤنگا یہاں کی سب چیزیں اسی جگہ چھوڑنے والاہوں سب لذتوں سے زیادہ مجھے اپنا خالق پیارا ہے میں اس کی مرضی پر چلنا چاہتا ہوں اور اس لئے اس کی مرضی کو تلاش کرتا ہوں تاکہ اس پر چلوں یہ ارادہ میرے دل میں زندہ ارادہ ہے گویا ایک چلاہٹ ہے اس نوپیدا بچے کی جو شیر مادر کے لئے چلارہا ہے۔

میں نہ علم دکھلانے کو جھگڑتا پھرتا ہوں نہ کسی باپ دادا ے کی ناجائز بات کی حمایت کرتا ہوں نہ کسی کی تحقیر اور بدنامی کا خواہاں ہوں اور نہ میں ایسی باتیں کرکے دنیا کمانا چاہتا ہوں میں صرف اپنے خالق کی مرضی کو تلاش کرتا ہوں تاکہ باقی عمر میں اس کی خدمت کروں۔

میں اس لئے فکر کرتا ہوں کہ تاکہ صحیح الہام کو دریافت کروں کہ کہاں ہے اور اس کی روشنی سے میں بھی منور ہوجاؤں۔

اس کے علاوہ مقدمات پیش آئندہ کے درمیان ان کے مدراج کی بھی رعایت کرنی ہوگی۔ مثلاً امور عقلی کے متعلق عقل کی طرف اور تجربہ کی باتوں کے متعلق تجربہ کی طرف اور قدرت کی باتوں میں قدرت کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور حکمت کی باتوں کے متعلق حکمت کی تہ تک پہنچنا ہوگا اور اندھی اونٹنی کی طرح درختوں میں منہ مارتے پھرنا نہ ہوگا۔

پس صحت فکری کے لئے ان تمام امور بالا پر غور کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا از بس ضروری اور لابدی ہے۔

خدا کے مدرسہ میں داخل ہونے والوں کے لئے یہ باتیں بطور ابجد کے ہیں وہ شخص جو الہام کی روشنی میں آجاتا ہے اس کا معلم خدا ہوتا ہے کیا ہر سست اور شریر اور ٹھٹھہ باز اور متکبر ومتعصب اور خود غرض اور مغرور بھی وہاں دخل پاسکتا ہے ہر گز نہیں مگر سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ ہر شخص حاضر ہوسکتا ہے۔

دنیاوی حکمت سے الہیٰ حکمت ضرور بڑی چیز ہے لیکن دنیاوی حکمت محنت وتندہی کے بغیر ہر گز حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے الہیٰ حکمت کے لئے بے حد تندہی بلکہ من وہی درکار ہے۔

دیکھئے کہ دنیاوی لوگ علوم دنیاوی کو کیسی سخت جانفشانی کے ساتھ حاصل کرکے دنیاوی مدارج حاصل کرتے ہیں مگر علم الہیٰ کے بارہ میں کوئی کتاب بطور تفریح دیکھ کر کہتے ہیں کہ مذہب کوئی

چیز نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ الہامی کتاب کے دریافت کرنے کے لئے سب سے پہلے اور ضروری بات یہ ہے کہ نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ تندہی کرکے فکر کریں۔

ثانیاً صحیح الہام کی شناخت کے لئے الہام کی تعریف اور الہام کی غرض کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیے۔

الہام کی تعریف یہ ہے

الہام ایک روشنی ہے اس کی طرف سے جو قادر مطلق اور حکیم علی الاطلاق بلکہ جامع جمیع صفات کمال ہے۔

اورالہام کی غرض یہ ہے

عقل کو زیادہ بصیرت دے اور روح کی پیاس کو بجھائے کچھ بتلائے اور کچھ عنایت کرے۔

پس الہام کی شناخت کے لئے خلوص نیت کے بعد سب سے بڑی اور معتبر علامات یہی ہیں کہ تعریف اور غرض کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔

چونکہ الہام ایک روشنی ہے

پس جہاں وہ ہوگا وہاں سب کچھ اس کے وسیلہ سے صاف نظر آئیگا جہاں آفتاب ہے وہاں روشنی ہے اور جہاں وہ نہیں ہے وہاں اندھیرا ہے جس ملک میں جس مقام میں اور جس خاندان میں اور جس آدمی کے دل میں الہامی خیالات ہونگے وہاں ضرور روشنی ہوگی روشنی میں سب کچھ صاف نظر آئیگا پس وہاں بدی اور نیکی ہر دو صاف صاف ظاہر ہونگی۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ الہام صرف بائبل مقدس ہی میں ہے جس کی تاریخ کی دلیل یہ ہے کہ جن ممالک اور شہروں اور قوموں میں بائبل پہنچ گئی ہے وہاں عجیب تبدیلی اورزندگی تہذیب اور شائستگی کی پائی جاتی ہے۔ اب ان حالات کو ان ممالک اور شہروں اور قوموں کے خیالات سے مقابلہ کرو جہاں بائبل نہیں پہنچی ہے کہ وہ کس حالت میں ہیں اور عیسائی ممالک کس حالت میں ہیں ۔افغانستان ، ایران، عربستان ، ترکستان اور ہندوستان کے رجواڑوں کو دیکھو کہ کس حالت میں ہیں۔ ان تمام خوبیوں کا باعث جو مسیحی ممالک میں پیدا ہوئی ہیں صرف بائبل مقدس ہی ہے اور دیگر ممالک میں جو قباحتیں ہیں ان کی جڑان کی الہامی کتابیں ہیں۔

یہ الہامی روشنی قادر مطلق کی طرف سے ہے

پس لازم ہے کہ الہام کے ساتھ بھی ایک اعلیٰ قدرت ہو کیونکہ الہام قادر مطلق کی روشنی ہے۔

اس دنیا ومافیہا کو قادر مطلق نے بنایا ہے جب اس نے بنایا ہوگا تو اس وقت کیسی قدرت نمایاں ہوئی ہوگی اگرچہ ہم اس وقت موجود نہ تھے کہ اس عظیم الشان قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ اس نے کہا ہو جا اور ہوگیا۔ لیکن جب ہم غور کرتے ہیں کہ تو گویا اس لاثانی قدرت کو ہم اپنی آنکھوں سے نہایت حیرت کے ساتھ دیکھتے ہیں ۔ اور خود دنیا کا نظام اور ترتیب اس کی گواہی دیتی ہے کہ اس کا خالق وہ خدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں بے مثل اور لاشریک ہے۔

پس الہام میں بھی یہ صفت ہونی چاہیے کیونکہ الہام اس کا قول ہے اور جہان اس کا فعل قول اور فعل میں مطابقت از بس ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص بائبل پر غور کرے تو جانے گا کہ آدم سے لے کر موسیٰ تک خدا نے خاص طور پر اپنے خاص الخاص بندوں کو اپنے الہام سے سرفراز فرمایا جو عجیب قدرت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے رہا۔ پھر موسیٰ سے لے کر مسیح تک خدا کی ساری مرضی سارے جہان کے لئے جو ظاہر کی گئی ہے اس کے اول اور آخر اور درمیان میں بھی وہی قدرت نمایاں تھی جس کا ذکر مختصر طور پر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

توریت شریف کی کتاب خروج کا رکوع 8 آیت 19 میں یہ ہے کہ " تب جادوگروں نے فرعون سے کہا یہ خدا کی قدرت ہے ۔" اور انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا کے رکوع 11 آیت 20 میں ہے کہ " اگر میں خدا کی قدرت سے دیوؤں کو نکالتا ہوں تو بیشک خدا کی بادشاہت تمہارے پاس آگئی ہے ۔" یہ اشارہ ہے اس قدرت کی طرف جو ظہور الہام کے وقت ظاہر ہوئی تھی۔

لیکن آج بھی بائبل کے ساتھ ایک غیبی طاقت اور الہیٰ حمایت صاف صاف نظر آتی ہے باوجود اس کے کہ لوگ مخالفین اس کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اس پر بھی یہ الہیٰ کتاب فتحیاب ہوتی چلی جارہی ہے اور کوئی باطل خیال اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اس کتاب کی نسبت شروع سے آج تک کہا جاتاہے کہ اس نے جہان کو الٹ دیا اور سچ ہے کہ الٹ دیا اور الٹی چلی جاتی ہے۔ دشمنوں کی دشمنی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے اور خود مٹتے جاتے ہیں لیکن بائبل ترقی کرتی جاتی ہے۔ دیکھئے کہ یہودیوں کی مخالفت کہاں گئی اور رومیوں کی دشمنی کدھر گئی اور یونانیوں کا تعصب کہاں گیا؟ اب بھی جس ملک میں بائبل جاتی ہے وہاں کے لوگ مخالفت کرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ خود بخود مغلوب ہوتے جاتے ہیں بائبل کا یہ دعویٰ نہایت سچاہے کہ میں سارے جہان کو فتح کرونگی۔

سچ پوچھو تو دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو بائبل کا مقابلہ کرسکے اس کی روشنی اور قدرت کے سامنے کوئی اور کتاب ٹھہر نہیں سکتی۔ بائبل اپنے پیروؤں کے دلوں میں ایسی تاثیر کرتی ہے جس سے اور ممالک اور اقوام اور خاندان اور ہر آدمی منور ہو کر خدا کی قدرت ظاہر کرتے ہیں۔ پس یہ لازوال اور عجیب قدرت جو بائبل کے ساتھ ہے گواہی دیتی ہے کہ یہ کتاب قادر مطلق کی طرف سے ہے۔

الہام اس حکیم علی الاطلاق کی طرف سے ہے

جس نے اس جہان کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا کیونکہ تمام موجودات میں ایک عجیب حکمت اور ترتیب نظر آتی ہے۔ اگرچہ انسانوں نے علی قدر ان حکمتوں میں سے چندے کو کچھ کچھ سمجھ بھی لیاہے تو بھی بہت سی ایسی حکمتیں اس جہان میں ہیں جو انسان کے فہم سے باہر ہیں لیکن ان کے نہ سمجھنے سے ہم ہر گز نہیں کہہ سکتے کہ جہان کا بنانے والا خدا جو حکیم علی الاطلاق ہے نہیں ہے ہماری یہ حالت کہ بعض باتوں کو سمجھتے ہیں اور بعض کو نہیں سمجھتے ہیں دلیل ہے اس بات کی کہ جہان حکیم علی الاطلاق کا بنایا ہوا ہے۔

یہی حال اس کے الہام کو بھی ہونا چاہیے بائبل میں بہت سے باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم خوب سمجھتے ہیں اور اس کی حکمت کی بزرگی دیکھتے ہیں لیکن بعض باتیں ایسی گہری ہیں جو فہم سے باہر ہیں پس اگر جہان کی حالت مذکورہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ جہان حکیم علی الاطلاق بنایا ہوا ہے تو الہام کی یہ حالت بھی دلیل ہے اس بات کی کہ یہ اسی کاقول ہے جس کا یہ جہان فعل ہے۔

اگر الہام کی ساری باتیں ہماری عقل میں آسکتیں تو ہم صاف انکار کرتے اور کہتے کہ یہ الہام نہیں ہے کسی آدمی کی عقل میں سے نکلی ہوئی باتیں ہیں کیونکہ ہماری عقلوں میں اس کی گنجائش ہے یہ عجیب بات ہے کہ جو دلیل بائبل کے ثبوت کی ہے اسی کو لوگوں نے اس کی تردید کی دلیل بنایا ہے اور جو بات کتب غیر الہامیہ کی تردید کی ہے اسے ثبوت کی دلیل بنایا ہے اور یہ غلطی اس لئے واقع ہوتی کہ انہوں نے اپنی صورت فکری پر فکر نہیں کیا جس کا ذکر میں نے اس لیکچر کے شروع میں کردیا ہے۔

الہام جامع جمیع صفات کمال کی طرف سے ہے

اس لئے لازم ہے کہ اس سے خدا کی بزرگی کمال کے طور پر ظاہر ہو۔ ہم دنیا میں کوئی تعلیم ایسی نہیں دیکھتے کہ بائبل سے زیادہ خدا کی عزت دکھلاسکے اور اس کی صفات کمال کا انکشاف بخشے۔ ہاں جن مقامات پر ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں ہم انہیں مقامات میں اس کی زیادہ تر بزرگی دیکھتے ہیں اور دکھلا بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ لیکچروں میں ان کا ذکر وقتاً فوقتاً آئے گا۔ اس قسم کے لوگوں کے کا نشایہ ہے کہ وہ نہ تو بائبل کی اصطلاحوں سے واقف ہیں اور نہ ان اسرار سے جو بائبل میں ہیں۔ چونکہ بائبل کے صرف کاغذ اور جلد ان کے ہاتھ میں اس لئے وہ اپنی اصطلاحوں اور اپنے خیالات فاسدہ کی بنا پر اعتراض گھڑلیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اب بائبل کا علم وسیع تر ہوتا جاتا ہے ان کے اعتراض خود بخود اڑتے جاتے ہیں جب شروع شروع میں بائبل آتی تھی اس وقت لوگوں کے کچھ اور ہی اعتراض تھے اور اب کچھ اور ہی اعتراض ہیں۔

الہام کی غرض یہ ہے کہ عقل روشن تر ہوجائے

پس وہ کون سی کتاب ہے جو بائبل سے زیادہ ہماری حالت کو اور نیکی وبدی کو اور خدا کی خدائی کو دکھلاسکے اگر کوئی ایسی کتاب دنیا میں موجود ہے تو کسی عالم بائبل کے پاس لے کر آناچاہے تو کھرے اور کھوٹے میں تمیز ہوجائے۔

بائبل میں یہی خوبی ہے کہ وہ عقل کی مدد کرتی ہے اور اسے روشن تر بناتی ہے۔

الہام کی غرض یہ ہے کہ اس کے وسیلہ سے روحانی اقتضا پورا ہو

مجرد عقل نے اور دوسروں معلموں کی کتابوں نے تو کماحقہ روح کی خواہش کو بھی نہیں سمجھا چہ جائیکہ وہ اس کی تکمیل کرتے صرف بائبل ہی نے اس خواہش کو آدمیوں میں دکھلایا ہے اور اس کے پورا کرنے کا علاج بھی بتلایا ہے اگر کچھ کچھ عقل نے ان معلموں نے سمجھا بھی تھا تو تکمیل کے عوض حرمان کی راہ دکھلائی تھی اور ابدی خوشی سے روح کو ناامید کردیا تھا یا باطل امید میں پھنسا رکھا تھا۔

الہام کی غرض یہ تھی کہ روح کو کچھ بخشے بھی

گناہ سے اور گناہ کے عذاب سے رہائی روح کو اس وقت درکار ہے اور ابدی خوشی کی امید یقین کے ساتھ روح کو اسی وقت مطلوب ہے سو یہ بات سوائے بائبل کے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ روح کو عنایت کرسکے۔

لیکن ان دو انعاموں کا یقین وہی شخص کرسکتا ہے جس نے بائبل سے یہ یقین حاصل کیا ہو۔ لیکن جنہوں نے یقین کا یہ درجہ حاصل نہیں کیا ہے غور کریں تو بائبل کے پیروں کے افعال واقوال اور حرکات وسکنات کو غیر لوگوں کے افعال واقوال اور حرکات وسکنات کے ساتھ مقابلہ کرکے کسی قدر دریافت کرسکتے ہیں لیکن یہ مقابلہ ہمیشہ خواص میں کیا جاسکتا ہے نہ کہ عوام میں۔ کیونکہ جیسے جسم میں اور عقل میں لوگ مختلف ہوتے ہیں ویسے ہی روح میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔

پانچواں لیکچر

روح کیا ہے؟

انسانی روح کے متعلق بھی لوگوں نے بہت ہی غور وفکر کیا ہے اور اب تک کررہے ہیں لیکن عقل کے لئے یہ بہت ہی مشکل ہے کہ تنہا اس کی حقیقت کو دریافت کرسکے تاہم اسکی نسبت صحیح خیال پیدا کرنا واجب ہے کیونکہ انسان کی تمام ترکوشش اسی کے لئے ہے۔ اگر روح ایک اعلیٰ حقیقت رکھتی ہے اور ناقابل فنا ہے تو اس سے زیادہ بہتر کون سی چیز ہے جس کے ہم طالب ہوں اور اگر یہ کوئی بے حقیقت چیز ہے اور فانی ہے تو ناحق ہم اس کے لئے اس قدر تکلیف اٹھارہے ہیں اور ہماری ساری جانفشانی برباد ہے پس اس کے متعلق ہم بھی اپنا خیال پیش کرتے ہیں۔

روح کے متعلق تین قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ خدا کا امر ہے اس سے زیادہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ قول قرآن شریف سے ماخوذ ہے۔ دوم یہ کہ وہ خالق کی جنس میں سے ہے جیسے یونان کے کسی شاعر نے کہا کہ ہم خدا کی نسل ہیں اگر کہا جائے کہ یہ خیال پرانے تصوف کا ہے تو بجا ہے۔ سوم یہ کہ وہ ایک قسم کے اجزے ہیں جو جسم کی ترکیب سے متولد ہوتے ہیں یہ خیال جسمانی حکیموں کا ہے۔

دیکھو انسانی عقل کی لاچاری اپنے قریب کے چیز کے دریافت کرنے میں اس قدر عاجز ہے تا بدور چہ رسد۔

کیا وہ خدا جس نے ہمیں غور وخوض کرنے کا مادہ عنایت کیا اور طاقت فکری بخشی اور انسانی ذہن کو کسی قدر رسائی عطا کی ہے اور اسباب حصول علوم روحانی اور جسمانی ہمیں دیئے وہ ہماری ذات ہی کے علم سے ہمیں محروم رکھیگا ہر گز نہیں۔

الہام الہیٰ ہمیں بتلاتا ہے کہ روح انسانی ایک ہوا ہے مگر نہ دنیاوی ہوا بلکہ کسی دوسرے جہان کی ہوا ہے اس کا نام زندگی کا دم ہے جو خاص خالق موجودات سے نکلا ہے اور براہ راست خدا سے نکل کر آدمی میں آیا ہے۔ سب حیوانات کی جانیں اس نے عالم اجسام میں سے بوسیلہ حکیم کے پیدا کرائیں ہیں مگر انسان میں اس نے آپ زندگی کا دم پھونکا ہے اسی کا نام روح ہے۔

یہ ایک علیحدہ خیال ہے جسے چوتھا خیال کہنا چاہیے۔ یہ خیال تیسرے خیال کا بالکل مخالف ہے اور اسے رد کرتا ہے اور اس تردید کی دلیل بھی اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ بتلاتا ہے کہ وہ ایک خاص ہوا ہے جو خالق سے نکلی ہے وہ نادیدنی چیز ہے اس لئے حکیموں کو نظر نہیں آئی اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ فانی الخرہ ہے۔

یہ خیال پہلے خیال کی تردید نہیں کرتا مگر یہ بتلاتا ہے کہ پہلا خیال موٹا خیال ہے اور عام بات ہے جس سے کچھ روشنی ذہن میں نہیں آسکتی۔

لیکن دوسرے خیال میں اور اس میں ایک بڑا نازک فرق ہے جو نہایت خطرناک بھی ہے کیونکہ زندگی کا دم جو خدا سے نکلا وہ خدا کی جنس اور الوہیت کا ایک جزو نہیں ہے تو بھی خدا کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتا ہے جو دیگر مخلوقات کی نسبت سے زیادہ خاص ہے۔

خدا کی زندگی کا دم جو انسان میں پھونکا گیا وہ کیا چیز ہے کوئی انسان اسے بتلا نہیں سکتا جیسے خدا کے سمع و بصر وغیرہ کچھ اور ہی چیز ہے ایسے ہی اس کا دم بھی کچھ اور ہی چیز ہے۔

اس الہامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ روح انسانی مخلوقات سے بالاتر چیز ہے اور جسم انسانی دنیاوی چیز ہے اور ان کے میل سے انسان بنا ہے۔ حکیموں نے کہا ہے کہ جسم گھٹتا و بڑھتا ہے اور روح بھی اس کے ساتھ گھٹتی اور بڑھتی ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ وہ فانی جسم سے متولد ہے۔

لیکن یہ تسلی بخش قیاس نہیں ہے کیونکہ جس عالم اجسام کے انتظام کے موافق ضرور گھٹے گا اور بڑھے گا لیکن آسمانی مخلوق جو روح ہے وہ اپنے مظہر یا مسکن یعنی جسم کی گنجائش یا طاقت اور ظرف کے موافق اس میں جلوہ گر ہوگی کیونکہ اس کا ظہور انتظام جہان کے موافق جسم میں ہوا ہے لیکن وہ ایک مستقل مخلوق ہے بموجب ان فضائل ستہ کے جو ذیل میں آتے ہیں۔ اور جو روح کا گھٹنا بڑھنا جسم کے گھٹنے بڑھنے کے ساتھ دیکھ کر کہتے ہیں کہ روح کوئی مستقل جوہر نہیں ہے انہیں اس بات کے امکان پر بھی خیال کرنا چاہیے کہ مظہر روح یعنی جسم عالم اجسام کے انتظام کا ضرور مقید ہے اور ظہور روح ضرور مظہر پر موقوف ہے لیکن وہ شخص جو روح کا ظہور جسم کی ہر حالت میں کامل طور پر مانتا ہے گویا وہ یہ چاہتا ہے کہ روح اس عالم انتظام میں انتظام شکن ہو کے ظاہر ہو تب میں اسے مستقل جوہر جانوں گا لیکن یہ بات محال عادی ہے۔

اس بات کو دیاد رکھنا چاہیے کہ روح ترقی اور تنزل جو بدن کی قوت اور ضعف کے لحاظ سے ہوتا رہتا ہے دیکھ کر ہم اسے عناصر کی ترکیب سے پیدا شدہ ہرگز نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ روح میں کچھ فضائل نظر آئے ہیں جن کا جسم اور وہم سے پیدا ہونا ممکن نہیں۔

پہلی فضیلت

روح انسانی کا مسکن یعنی تمام مادی اشیاء سے نہایت افضل اور عظیم الشان مسکن مکین کی شان کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بھی ایک دلیل ہے بات کی کہ انسان کے بدن میں ایک ایسی عزت دار چیز رہتی ہے جو تمام دیدنی موجودات میں بے نظیر ہے گویا یہ حاکم کا محل ہے اور باقی رعیت اور نوکروں کے جھونپڑے ہیں۔

دوسری فضیلت

روح میں تمام مراتب علیا کے حاصل کرنے کی ایک ایسی استعداد ہے جو تمام دیدنی موجودات پر ایک عجیب فوقیت اور غلبہ اس میں معلوم ہوتی ہے۔

تیسری فضیلت

تمام حیوانی ارواح میں سفلی صفات بشدت نظر آتی ہیں یعنی شہوت، عداوت، غضب، خود غرضی، بے حیائی، بے رحمی وغیرہ۔ مگر روح انسان میں فضائل علویہ کی کرنیں بکثرت چمکتی ہیں مثلاً محبت، خوشی، صلح، خیر خواہی، فروتنی، پرہیزگاری، وغیرہ کی خواہشیں۔ اب اس بات پر غور کرنے سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کی خواہشیں اور ہیں اور روح کی خواہشیں اور ہیں اور ان میں تباین ہے اور یہ اس لئے ہے کہ جسم اس جہان کا ہے لیکن روح عالم بالا کا مخلوق ہے۔

چوتھی فضیلت

روح میں عجیب دو مقصد نظر آتے ہیں ابدیت کی خواہش، اور حقیقی خوشی کی امنگ، اور یہ باتیں علویت کی علامتیں ہیں۔ چونکہ روح میں یہ علامتیں موجود ہیں لہذا روح کو عالم بالا سے ایک خاص نسبت ہے۔

پانچویں فضیلت

جو خواہشیں روح میں موجود ہیں اس جہان کی چیزوں سے کبھی پوری نہیں ہوسکتیں مگر خالق ہی سے پوری ہوسکتی ہیں اگر سارے جہان کی چیزیں اور حشمت اور خوشی روح کو دی جائے تو بھی روح سیر نہیں ہوسکتی ۔ لیکن جب خدا سے ایک لفظ بھی سن لیتی ہے تو بڑی سیری اس میں آجاتی ہے۔ اس سے خوب ظاہر ہے کہ روح اس سفلی کرہ کی نہیں ہے اس کا کرہ علوی ہے کیونکہ ہر چیز اپنے کرہ کی طرف مائل ہے۔

چھٹی فضیلت

وہ روحیں جنہیں اس جہان کی آلودگیوں نے کم تردبادیا ہے اپنی نقل مکانی کے لئے کچھ جمع کرتی ہیں جو عالم اجسام میں نظر نہیں آتی ہے اور بہت سی روحیں ایسی ہیں جو تھر تھراتی ہیں اور انتقال کے وقت کچھ قوی آسرا تلاش کرتی ہیں۔ پس ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی روح اس جہان کی چیز ہی نہیں ہے ضرور وہ عالم بالا سے ایک خاص نسبت رکھتی ہے۔

اس لئے ہمیں یقین ہوتاہے کہ الہامی بیان حواس کی نسبت ہے ۔ صحیح ہے اور ہم الہام کے زیادہ متشکر ہیں کہ اس نے روح کی بابت عقل کی نسبت زیادہ کچھ بتلایا کہ روح ایک آسمانی جوہر ہے اور نہ ہم حقیر اور ناچیز ہیں اور نہ مثل اور حیوانوں کے ذلیل ہیں بلکہ خدا کے فضل سے کچھ عمدہ چیز ہیں لیکن افسوس کہ ہم اپنی روح کی قدر نہیں جانتے۔

اب باقی رہی یہ بات کہ روح کس حالت میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آیا وہ فانی ہے یا غیر فانی ۔ کوئی کہتاہے کہ وہ فانی ہے جسم کے ساتھ فنا ہوجائیگی مگر یہ بات قابل پذیرائی نہیں ہے کیونکہ بدن کے اعتبار سے جو روح کا مسکن ہے یہ حکم لگایا گیاہے نہ کہ نفس روح کے اعتبار سے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جسم اس جہان کا ہے اور روح اس جہان کی ہے اور دونوں کی خواہشوں میں تباین ہے البتہ کچھ عرصہ کے لئے بدن میں جو اس کا مسکن ہے رہتی ہے ۔ لیکن مسکن کی بربادی سے روح کی بربادی کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے سوا عقل کے رو سے نہ تو ہم انسان کی ابتدا معلوم کرسکتے ہیں اور نہ انتہا اور نہ روح کی ماہیت دریافت کرسکتے ہیں پس ان مجہولوں سے ایک معلوم کا نکالنا کہ وہ فانی ہے کس طرح ممکن ہے ہاں جسم کے علاقہ سے ممکن ہے لیکن اس کے ساتھ تو جسم کا حقیقی علاقہ ثابت نہیں ہوتا ہے ۔ پس فنا کا نتیجہ نکالنا ایسی حالت میں صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔

ہم اوپر اس امر کا بیان کرچکے ہیں کہ روح کو ایک خاص نسبت ہے اس سے جو غیر فانی ہے لہذا روح بھی غیر فانی ہے۔

پھر دیکھو کہ عالم کا انتظام یعنی اس جہان کا بندوبست اگرچہ بظاہر انسان کے ہاتھ میں ہے لیکن حقیقت میں مدبر اعلیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ انتظام موقوف ہے اس بات پر کہ روح غیر فانی ہے اور اسی عالم الغیب کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ اگر یہ اعتقاد کہ روح فانی ہے عالمگیر ہوجائے تو جہان کا انتظام بالکل برباد ہوجائے اور سب ہلاک ہوجائینگے یا کتوں اور گدھوں کی طرح زندگی بسر کرینگے پس ہمارے خالق کی طرف سے ہمارے انتظام کی صورت ظاہر کرتی ہے کہ ہم غیر فانی ہیں اور ناممکن ہے کہ وہ فریب دے۔

اگر روح فانی ہے تو پھر نیکی کا اجر اور بدی کی سزا کی توقع رکھنا عبث ہے اور منتظم بلکہ خدا کے وجود کا اقرار کرنا اس سے عبث تر ہوگا۔

سیدنا مسیح نے سب سے زیادہ روح کے غیر فانی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً جب منکر ان قیامت اور روح کے فنا کے قائل لوگ ان کے پاس آئے تو آپ نے انہیں جواب دیا کہ " کیا تم نے موسیٰ کی کتاب میں جھاڑی کے مقام پر نہیں پڑھا کہ خدا نے اسے کیونکر کہا کہ میں ابراہیم کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں مردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا خدا ہوں۔

آپ نے خدا کی ہستی کو ثابت کرکے یہ تعلیم دی کہ روحیں غیر فانی ہیں کیونکہ جب خدا ہے اور اس کی ہستی میں کچھ شک نہیں ہے تو ضرور روح غیر فانی ہے کیونکہ جب روحوں کا خالق زندہ ابد تک موجود ہے تو پھر روحیں بھی موجود ہوسکتی ہیں اور جب اس میں وہ قدرت ہے جس پر جہان قائم ہے تو اور بھی زیادہ ثبوت ہے کہ خدا قائم رکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں قدرت ہے اور موجب عدم فنا ہوسکتی ہے ۔ اور مسیح نے یہ بھی بتلایا کہ ابراہیم اسحاق یعقوب اگرچہ مرگئے تو بھی موجود ہیں وہ خدا کی

طرف مضاف ہیں زندہ خدا معدوم شئے کو اپنی طرف مضاف نہیں کرتا ہے پس یہ لوگ اگرچہ مرگئے تو بھی کہیں موجود ہیں۔ اور جھاڑی کے اشارہ میں یہ بھی بتلایا کہ اگرچہ موت کی آگ میں پھنس جاتے ہیں تو بھی نہیں مرتے ہیں جیسے وہ بوٹا آگ میں نہ جلتا تھا کیونکہ قادر مطلق ان کی حفاظت کرتا ہے۔

اس کے سوا لعزر کو جلاکے اور یائر سردار کی لڑکی کو زندہ کرکے اور شہر نائین کے بیوہ کے بچے کو جاتے ہوئے جنازہ سے کھڑا کرکے مسیح نے عملاً ثابت کیا کہ روحیں موت کے بعد فنا نہیں ہوجاتی ہیں بلکہ وہ زندہ رہتی ہیں۔

اور پھر آخر کو اس نے اپنی موت اور زندگی سے اس امر کا ایسا ثبوت دیا کہ جس میں کسی طرح کا شک ہی باقی نہ رہا اور جیسا دین مسیحی بہت سی باتوں میں ممتاز ہے اسی طرح مردوں کی قیامت کے ثبوت میں بھی سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اس کا ذکر ہے کہ قیامت ہوگی اور روحیں غیر فانی ہیں مگر اس کا یقینی صرف مسیحی مذہب میں ہے۔

چھٹا لیکچر

روح کی موجودہ حالت

گذشتہ لیکچر میں اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ انسانی روح کوئی معمولی مخلوق نہیں ہے بلکہ اس میں عالم بالا کی خوبیاں ٹمٹاتی ہیں اور اس کی خواہشیں صرف خدا میں پوری ہوتی ہیں اور یہ کہ وہ غیر فانی شئے ہے۔

آج روح کی ایک دوسری خطرناک حالت بیان کرینگے جو حالت مذکورہ بالا کی نسبت زیادہ تر واضح ہے۔

اگر روح فانی ہوتی تو کچھ خوف نہ تھا مگر یہ حالت جس کا ذکر کیا جاتا ہے فنا کی بہ نسبت زیادہ خوفناک ہے۔ اس کی اس خطرناک حالت کا بیان تو بہت بڑا ہے لیکن مختصراً کچھ ذکر کرتا ہوں۔

پہلی بات

انسان کی روح پر ایک قسم کی تاریکی چھائی ہوئی ہے

یہ تاریکی تین طریقوں سے ثابت کی جاسکتی ہے :

(1) روحانی باتوں سے سخت بے خبری جو بعض آدمیوں میں صاف ظاہر ہے کہ ان کی روح اپنے خالق ومالک کی نسبت کس قدر بے خبر ہے اور اس کی مرضی پر چلنے سے کیسی غافل ہے اور اپنی نسبت کہ میں کون ہوں اور کس حالت میں ہوں اور کس حالت میں مجھے ہونا چاہیے کچھ ہی نہیں جانتی ہے یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ روح پر سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے اگر روح میں کچھ بھی روشنی ہوتی تو وہ سب باتیں جانتی ہوتی۔

(2) برے کاموں میں منہمک رہنا اس تاریکی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جھوٹ، کینہ ، بغض، خود غرضی، حسد ، لالچ ، کفر ، غرور ، وغیرہ جو آدمیوں کے اندر سے نکلتے ہیں یہ سب باتیں ظاہر کرتے ہیں کہ روح تاریکی میں ہے۔

(3)مکروہات اور خواہشات نفسانی کا ہجوم جو روحوں پر غالب ہے یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ روحوں پر ایک تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ روحوں کی اس تاریکی سے تو ہم واقف ہیں مگر یہ نہیں بتلاسکتے ہیں کہ یہ تاریکی کہاں سے آگئی ہے ۔ ہاں روح کی بے چینی ظاہر کرتی ہے کہ یہ اس کی اصلی حالت نہیں ہے عارضی حالت ہے لیکن یہ کہ یہ مرض اسے کہاں سے لگ گیا کیا عقل کچھ نہیں بتلاسکتی ہے لیکن الہام بتلاتا ہے کہ یہ توجہ الہیٰ کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے یا بعد الہیٰ کا اندھیرا ہے یا خدا سے نسبت خاص میں یہ گناہ کے سبب فرق آجانے کا اندھیرا ہے۔

اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تاریکی نہ تو سورج کی روشنی سے اور نہ علوم دنیاوی کی روشنی سے اور نہ بدنی وروحانی ریاضت سے دور ہوسکتی ہے کیونکہ سب اہل علم اور اہل ریاضت میں بھی اور سب لوگوں کی طرح یہ اندھیرا پایا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ بہت کوشش کرتے ہیں لیکن دفع نہیں ہوتا۔

لیکن قربت الہیٰ ضرور اس تاریکی کے دفع کا موجب ہوسکتی ہے کیونکہ جس قدر روح خدا کے نزدیک ہوتی جاتی ہے اسی قدر روشنی آتی جاتی ہے اور تاریکی دفع ہوتی جاتی ہے۔

دوسری بات

ایک قسم کی غفلت اور غنودگی روحوں پر طاری ہے

اور یہ غنودگی تین باتوں سے ثابت ہوتی ہے:

(1) باوجود اس کے کہ روح جانتی ہے کہ میں مسافر اور سفر میں ہوں تب بھی اس اقرار سفر اور حالت سفری کی روحیں حالت قیامی کی دنیا کو اپنی قیامگاہ جان کر اس کی طرف مائل ہوتی ہیں جیسے چلتے ہوئے مسافر نیند کے سبب سے ٹھنڈی ہوامیں درختوں کے نیچے سونے کی طرف مائل ہوا کرتے ہیں۔

(2)عبرت اور دانائی اور تنبیہ کے تازیانے باربار روحوں کو بیدار کرتے ہیں لیکن وہ اور غفلت کی نیند سوتی جاتی ہیں سر اٹھاتی ہیں اور پھر سوجاتی ہیں غرضیکہ غضب کی غنودگی میں گرفتار ہیں۔

(3)یقینی خطرہ میں بھی ایک عجیب بے پروائی اور بے فکری روحوں میں دیکھی جاتی ہے یہ بھی غفلت اور غنودگی کا کامل ثبوت ہے۔

یہ غفلت اور غنودگی ایسی ہے جیسے آدمی نشے کی حالت میں ہو یا جیسے سانپ کے ڈسے ہوئے پر زہر چڑھا ہوا جو بجز سونے کے اور کسی چیز کا نام تک نہیں لیتا ہے۔

عقل نہیں بتلاسکتی کہ یہ غنودگی کہاں سے آگئی اگرچہ روح کے فضائل مذکورہ کی تو یہ ضرور خلاف ہے تو بھی پیدائش ہی سے روحوں میں یہ پائی جاتی ہے۔

الہام بتلاتا ہے کہ یہ عیب انسان کی جڑمیں آگیا ہے جو پہلوں میں ظاہر ہوتا ہے جیسے کوڑھ یا تپدق نسل میں جاری ہوجاتا ہے اسی طرح گناہ آدم کے سبب سے روحوں میں پایا جاتا ہے جس کو ہم غفلت یا غنودگی کہتے ہیں۔

اس کا علاج نہ کوئی طبیب کرسکتا ہے نہ کوئی جادوگر نہ عامل نہ عالم نہ امیر نہ فقیر لیکن خدا میں قدرت ہے کہ وہ اس کا معالجہ کردے۔

تیسری بات

روح دو متضاد کششوں میں گرفتار ہے

روحوں کو نیکی اپنی طرف کھینچتی ہے اور بدی اپنی طرف ۔ آزادگی ایک طرف کھینچتی ہے اور قید ایک طرف تنگ راہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور بزو کشادہ راہ اپنی طرف یہ دونوں کششیں باوجود سخت گرفت کے روح پر جبری دست اندازی نہیں کرسکتی ہیں اور نہ اپنی طرف مائل کرسکتی ہیں تاوقتیکہ روح اس پر راضی نہ ہو اور یہ ایک سخت خطرناک حالت ہے کیونکہ جیسے ابدی خوشی میں داخل ہونے کی امید ہے ویسے ہی ابدی ہلاکت میں پھنس جانے کا بھی خوف ہے۔

چوتھی بات

روح ایک خدمتگار کی حالت میں خدمت کے لئے مستعد معلوم ہوتی ہے

روح ایک خادم کی طرح ہے جسے وہ آقا اپنی اپنی خدمت کے لئے بلاتے ہیں۔ خدا اس کو الہام کے وسیلہ سے اپنی خدمت کے لئے بلاتا ہے۔ شیطان یا دنیا اسے اپنی خدمت کے لئے بلاتی ہے۔ اور یہ تو ناممکن ہے کہ ان دونوں میں سے وہ کسی کی بھی خدمت نہ کرے۔ وہ کبھی بیکار رہ نہیں سکتی

کیونکہ خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور ہر وقت کچھ نہ کچھ کام میں لگی رہتی ہے خواہ شیطان کا ہو یا رحمٰن کا اور چونکہ آقا مخالف ہیں اس لئے اجر بھی مخالف ہونگے جب تک کامل تسلی نہ ہو کہ میں کسی کی طرف ہوں اور کس کی خدمت کرتا ہوں اس وقت تک بے حد تشویشناک بات ہے۔

پانچویں بات

روح نہ صرف انتقال کے ماتحت ہے کہ اسے اس دنیا سے نقل مکانی کرنا ہوگا بلکہ ابدی موت بھی اس پر سایہ، فگن نظر آتی ہے۔

اور اس کا ثبوت ذرا غور طلب ہے جو دو طرح پر ہے:

(1)روحوں میں الہٰی طبعیت سے جدائی پائی جاتی ہے مگر سب کی روحوں میں نہیں بلکہ ان لوگوں کی روحوں میں جہاں نہ محبت ہے نہ پاکیزگی نہ خیر اندیشی ہے اور نہ رفاہ عام۔ کیونکہ جہان پر نظر کرنے سے خالق کی طبعیت میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن جس روح میں یہ باتیں نہیں ہیں ضرور وہ الہٰی طبعیت سے جدا ہے اور یہ جدائی ہے موجب غضب الہٰی کا۔

(2)جسمانی مزاج یعنی وہ مزاج جو جسمانیت کا غلبہ روحانیت پر ظاہر کرتا ہے اور جس کی علامت غصہ، خود غرضی، اور شہوت پرستی ہے۔ یہ نشان ہے ابدی موت کے سایہ کا۔

چھٹی بات

ان سب خطرناک باتوں میں انسان ایسا مقید نظر آتا ہے کہ اگر وہ چاہے کہ نکلے تو اپنی طاقت سے نکل نہیں سکتا ہے گویا جال میں پھنسا ہوا ہے۔

وہ نہ آپ نکل سکتا ہے اور نہ کوئی چیز سوائے خدا کے اسے نکال سکتی ہے وہ ایسا ہے جیسے جیلخانہ میں قیدی ہوتے ہیں یا جیسے چڑیا لوہے کہ پنجرے میں بند ہوتی ہے۔

ہزار پھڑ پھڑائے اور ریاضت کی چونچ مارے اور ذکر فکر مجاہدہ، مراقبہ شغل اشغال وغیرہ کی تدبیریں نکالے اس قید سے نکلنا محال ہے یہ اس وقت نکل سکتا ہے جب کوئی باہر سے آئے اور قفس کا دروازہ کھول دے۔

اگر روح کی اصلیت اور فضائل پر سوچیں اور اس خطرناک حالت پر بھی غور کریں تب نجات کی احتیاج معلوم ہوتی ہے بلکہ نجات کے معنی بھی یہی ہیں۔ کہ کوئی ہمیں اس حالت سے نکالے اور اسی زندگی میں نکالے ۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ مرنے کے بعد تم معاف کئے جاؤگے اور بہشت میں داخل ہوگے اور اب ہمارا یہ مذہب قبول کرلو؟

صحیح مذہب کے قبول کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ہمیں اس بری حالت سے ابھی نکالے اور الہٰی طبعیت میں داخل کرے تب تو ضرور ہماری نجات ہوگی۔

اور اگر ہم اپنے گناہوں میں اور اس بری حالت میں پھنسے ہوئے مرگئے تو ضرور ابدی ہلاکت میں پھنس جائینگے اور یہ ناممکن ہے کہ وہاں بخشش ہو جہاں ایک زبردست عادل تختِ عدالت پر بیٹھا ہو۔

پس مناسب تو یہ ہے کہ جو کوئی نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ کرے یا اعمال حسنہ کو موجب نجات بتلائے اسی دنیا میں ہمیں اس سے مستفید کرے۔

صرف سیدنا مسیح اس حالت سے نجات دینے کا مدعی ہیں اور کوئی نہیں بلکہ اور لوگوں نے تو اس بدحالت کو اچھی طرح معلوم بھی نہیں کیا ہے۔

ہزارہا روحیں جنہوں نے مسیح کے طفیل سے خلاصی پائی ہے۔ پکار پکار کے کہتی ہیں کہ ہمیں مسیح نے اس بری حالت سے نکالا ہے۔ اور ان کے اقوال وافعال اور زندگی ظاہر کرتی ہیں کہ سچ مچ وہ بدحالت سے نکل گئی ہیں پس اس نقد بخشش کے بالمقابل ہمیں اور کیا چاہیے؟

پس جب ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس بری حالت میں ہیں۔ اور س سے نکلنا بھی ممکن ہے۔ اور اگر اس پر بھی ہم اس بری حالت سے نکلنے کی کوشش نہ کریں تو یقیناً ہم خودکشی کے مرتکب ہونگے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نیکی کے وسیلہ سے اس حالت سے نکلینگے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ نیکی موقوف ہے نجات پر۔ نجات ہوجائے تب نیکی ہو نہ یہ کہ نجات موقوف ہے نیکی پر کیونکہ یہ بدحالت عقلاً و نقلاً مانع نیکی ہے پس چاہیے کہ سب لوگ پہلے اس حالت سے نکلنے کا فکر کریں اور فکر اتنا ہی درکار ہے کہ باقی وسائل کو چھوڑ کر اسے پکاریں جو محض رحم کرکے آدمیوں کو مخلصی دیتا ہے فقط۔

ساتواں لیکچر

اس مقصد پر کہ انسانی روح مذکورہ خطرناک حالت سے کیونکر خلاصی پاسکتی ہے۔

یہ مشکل اور ضروری سوال کئی طرح ادا ہوسکتا ہے۔ مثلاً انسان کی نجات کیونکر ہوسکتی ہے۔ یا اے بھائیوں ہم کیا کریں کہ نجات پائیں۔ وغیرذالک۔

جس طرح یہ سوال مختلف طور پر ادا ہوسکتا ہے اسی طرح اس کے جوابات بھی مختلف پیرایہ میں دیئے جاتے ہیں۔

لیکن اس پیارے سوال کا صحیح جواب سننے کو ہر عقلمند کا دل ضرور چاہتاہے کہ کیونکہ اس کا صحیح جواب زندگی کا مرکزہے اسے نہ پانا زندگی سے مطلق ناامید ہونا ہے۔

پہلا جواب

بعض دنیاوی عقلمند یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حالت سے آدمی نکل ہی نہیں سکتا ہے اس لئے اس کا فکرہی نامناسب ہے لیکن یہ عندیہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔

(1)روح کے فضائل مذکورہ اور اس کی قدر کی اس میں کچھ رعایت نہیں ہے۔

(2)خدا کی قدرت کا اس میں انکار ہے۔

(3)سراسر جسمانیت پر مبنی ہے۔

(4)خدا کا وہ قانون انتظام جو اصلاح مفاسد کے لئے ہے اس میں مفقود ہے۔

(5)روح کے تمنائے خوشی کی تکمیل اس میں نہیں ہے۔ جو عقلاً ناجائزہے وغیرہ۔

دوسرا جواب

بعض اہل مذاہب یہ جواب دیتے ہیں کہ انسانی راستبازی اس کو موت کے بعد رہائی دیگی۔

یہ جواب عام طور پر پسند کیا جاتا ہے اور عام لوگ فوراً یہی جواب دیتے ہیں لیکن یہ جواب کئی طور پر باطل ہے۔

(1)جو تلوار اس وقت کاٹ نہیں کرتی وہ جنگ میں کیونکر کام دیگی ؟

(2)زور آور کے قبضہ سے کمزور نہیں بلکہ زور آور تر چھڑا سکتا ہے۔ حالانکہ ہم اس حالت میں نیکی کو مغلوب اور بدی کو غالب دیکھ رہے ہیں پھر کیونکر اس عندیہ پر اختیار کریں۔

(3)کیا قوت غالبہ کے باوجود ہم مغلوب ہیں یا عدم قوت کے سبب سے ؟

(4)آج تک کسی آدمی میں قوتِ مخفیہ کیوں ظاہر نہیں ہوئی ؟

(5)اگر ہم روشنی رکھتے ہوئے تاریکی میں پھنسے ہیں توہماری خطرناک حالت کچھ بات ہی نہیں ؟

(6)انسانی راستبازی کالعدم ہے ٹٹولنے سے اس میں سے کچھ بھی نہیں نکل سکتا ہے؟

(7)جو کوئی کہتا ہے کہ نیکی کے ذریعہ سے بچینگے اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا قرض ادا کرکے جیلخانہ سے چھوٹ جائینگے لیکن یہ انہونی بات ہے درحقیقت اس کے معنی یہ ہیں کہ نجات نہیں ہوسکتی ہے۔

یہ خیال شریعت قلبی اور تحریری کی نافہمی سے پیدا ہوا ہے نہ شریعت سے کیونکہ شریعت میں راستبازی کرنے کا ذکر اور اس کے کرنے کی بڑی تاکید اس غرض سے ہے کہ انسان اپنی حالت لاچاری کو معلوم کرے نہ اس لئے کہ وہ راستبازی کریگا اور اس کےوسیلہ سے نجات پائیگا پس وہ حالت نمائی ہے۔

تیسرا جواب

پرانے جاہلوں کاخیال ہے کہ ہم جس حال میں پیدا ہوئے ہیں اسی حال میں پڑے رہینگے خدا اپنے فضل سے آپ ہی نکالیگا۔ اس جواب میں کچھ راستی اور کچھ ناراستی ملی ہوئی ہے۔

خالق کے فضل پر تکیہ کرنا راستی کی بات اور مناسب بھی ہے اور عقل بھی اسے قبول کرتی ہے۔ مگر ناراستی اس جواب میں یہ ہے کہ :

(1)بدحالت میں بے خوف پڑے رہنا بدحالی کو پسند کرنا اور سزا کی حالت کو حقیر سمجھنا ہے۔

(2)اس جواب کو پسند کرنا اس فضلی کشش کی تڑپ کو جو روح میں مرکوز ہے مندفع کرتا ہے۔

(3)عالم اسباب میں رہے کروسائل رحم سے قطع نظر کرکے رحم کا امیدوار رہنا بیوقوفی ہے۔

(4)خالق میں نہ صرف رحم ہی ہے مگر اور صفات بھی ہیں پس کیونکر یقین ہوسکتا ہے کہ ہماری طرف صرف صفت رحم ہی مرعی ہوگی۔ حالانکہ آثار غضب بگواہی حالت بدہم پر بشدت طاری ہیں۔

(5)ایسا نہ ہو کہ جھونپڑے میں رہے کر محلوں کے خواب دیکھتے رہیں۔

ان تینوں جوابوں کے ماحصل

(1) یہ تینوں جواب کیا ہیں نافہمی اور غفلت کے نتیجہ ہیں اور انجام موت ہے۔

(2)اب یہ بھی دیکھ لو کہ اس لاچاری کی حالت میں انسانی عقل کوئی مفید نسخہ نہیں نکال سکتی جس سے انسان اس بدحالت سے نکلے۔

(3) یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سارے مذاہب جن میں یہ تقریریں لکھی ہیں خدا سے نہیں ہیں کیونکہ یہ سب مخلصی کی راہ نہیں دکھلاسکتے ان کے خیال میں بھی مخلصی کی راہ نہیں آئی ہے۔

چوتھا جواب

وہ ہے جو الہام کی کتابوں سے ملتاہے اور وہ ان سب سے نرالا ہے او اسی سے انسان کی تسلی ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

کہ اس بد حالت سے مخلصی اسی زندگی میں اس الہیٰ حکمت سے ہوسکتی ہے جو بڑی گہرائی کے ساتھ سیدنا مسیح میں ظاہر ہوئی ہے بشرطیکہ طالبان نجات کے دل اس کے لئے اسی حکمت کی مناسبت پر مستعد وطیار ہوں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ نجات صرف خدا کی طاقت سے ہے۔ مگر اس کی خواہش انسان کی طرف سے چاہیے۔ یعنی اگر وہ چاہے کہ میں نجات پاؤں تب خدا اسے نجات دیتا ہے۔

پس چاہیے کہ آدمی بد حالی پر اور لاچاری پر اور روح کی پاک خواہشوں پر اور شریعت کی تکمیل پر جو مطلوب ہے غور کرکے اس (دباو خستگی) جو حقیقت میں اس کے اندر ہے اور وہ نہیں جانتا خوب معلوم کرے ایسا کہ نہ صرف اس کی زبان بلکہ اس کی روح یوں چلائے کہ گناہ اور غم کے غار میں سے۔ میں کرتا ہوں کہ فریاد خدایا میری سن آواز۔ اور فرما تو مجھے یاد۔ اسی کا نام دروازہ کھٹکھٹانا ہے اسی کو خالص طلب کہتے ہیں یہی موقع کشش رحمت کا ہے یا اخذ ضیاء کا آفتاب صداقت سے موقع ہے۔

یہ حالت ایک محتاج روح کے ہاتھ پھیلانے کی ہے اس سچے غنی اور سخی کے سامنے جس کے دروازہ سے کوئی ناامید نہیں پھر سکتا اور جس کا دروازہ چھوڑ کر کسی دروازہ سے کچھ فائدہ نہیں پاسکتے۔

عقل بھی کہتی ہے کہ قادر مطلق کا فضل اس حالت کے ساتھ متوازی ہونا چاہیے۔

کیا رکاوٹ ومزاحمت کے ساتھ کوئی کشش پوری قوت دکھلاسکتی ہے ہرگز نہیں۔

یا کا بدوں تنقیح کے صحت ہوسکتی ہے اور دوا کارگر ہوسکتی ہے ہرگز نہیں۔

کیا جہل مرکب لے کر ہم علوم میں ترقی کرسکتے ہیں کبھی نہیں۔ پس اس حالت سے نکلنے کے لئے اس قسم کی تیاری کی ضرورت ہے۔

تب الہیٰ قوت اس حالت سے نکالنے کے لئے جو ہر وقت موجود ہے اپنی تاثیر دکھلائیگی اور روح کے بندھن کھل جائینگے اور پہلے روح پر پو پھٹنے کی روشنی چمکیگی۔

اگرچہ ہزاروں پر جو اس کے اردا گرد ہیں رات رہے لیکن اس شخص پر ضرور پو پھٹیگی۔

دیکھو سیدنا مسیح کے صحابہ کرام چلاتے ہیں (انجیل شریف خط دوم اہل کرنتھیوں رکوع 4 آیت 6)۔ " خدا جس کے حکم کے مطابق تاریکی سے روشنی چمکی اس نے ہمارے دلوں کو روشن کردیا۔"

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں روشنی آگئی نہ یہ کہ ہم روشنی کے امیدوار ہیں۔ اور ضرور ان میں روشنی تھی۔ ان کے اقوال اور ان کی زندگی سے ظاہر ہے کہ ان کے دل ضرور روشن تھے اور اس میں کیا شک ہے کہ جب مہلکات روحانیہ دل سے نکل گئیں یعنی حسد، غضب ، کینہ ، بدی وغیرہ اور باطل خیالات بھی دماغ سے دور ہوئے اور اس کے عوض صحیح خیالات اپنے اور خدا کے اور جہان کی نسبت قائم ہوئے اور محبت ، وخلق وخیر اندیشی اور ہمدردی اور رحم سے بھر پور ہوگئے تو پھر کیونکر نہ کہیں کہ اندھیرا جاتا رہا اور روشنی آگئی اور یہ ایسی روشنی ہے کہ اس کے لئے اہل ریاضت سر پٹک کر مرگئے لیکن ان کو میسر نہ ہوئی اور نہ اہل علم کو کبھی یہ بات حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ مسیح کے شاگرد یہ بھی بتلاتے ہیں کہ یہ روشنی ہم میں کہاں سے آئی سر چشمہ روشنی کہاں ہے۔

خدا روشنی کا سرچشمہ ہے جس نے سب کچھ نیست سے ہست کیا ادھر سے روشنی آگئی۔ پس وہ روشنی کا سرچشمہ بھی درست بتلاتے ہیں اور ضرور ان میں روشنی بھی ظاہر ہے لہذا چھٹے لیکچر کی پہلی بات دفع ہوئی۔

اور جب دل میں دن ہوگیا تو پھر غنودگی کہاں اب دیکھو ان کی سرگرمی کو کہ دنیا خوابِ غفلت میں بڑبڑاتی ہے اور وہ کیسی پرُمحبت باتوں سے جگاتے ہیں اور جاگتے ہیں انہوں نے خدا کو پسند کیا اور دنیا کو چھوڑ دیا۔ وہ خدا کی خدمت کرتے ہیں پر اہل دنیا اپنی نفس پروری میں مشغول ہیں ان کے سر پر سے موت کی گھٹاہٹ گئی ہے فضل اور برکاتِ سماوی کی اوس ان پر صاف پڑتی ہوئی نظر آتی ہے ان کے سارے دنیاوی بندھن ٹوٹ گئے لہذا وہ آزاد ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے

کہ اس بدحالت سے انسان نکل سکتا ہے کیونکہ اگرچہ وہ جسمانی تولد کے اعتبار سے اس حالت میں پیدا ہوا ہے مگر روحانی تولد کے اعتبار سے پیدا نہیں ہوا ہے۔

ہاں ہماری کوشش اور ہماری راستبازی اس حالت سے ہر گز نہیں نکال سکتی لیکن خدا کی قدرت جو سیدنا عیسیٰ مسیح میں ظاہر ہوئی ہے اس سے مخلصی پاسکتے ہیں۔

خدا پر بے ہودہ بھروسہ رکھنا بھی نہیں نکال سکتا کیونکہ شانِ الوہیت اور انتظام عالم کے خلاف ہے۔

لیکن ایک ہی نام ہے جس سے نجات پاسکتے ہیں اور وہ سیدنا عیسیٰ مسیح ہے فقط۔

آٹھواں لیکچر

خدا کی ذات وصفات

لفظ کیا ذات پر دلالت کرتا ہے اور کیسا صفات پر۔ مگر یہ نہایت مشکل سوال ہوتا ہے۔ خدا ہمیں غلطی سے بچائے اور اپنے صحیح عرفان ہمیں عنایت کرے۔

یہ سوال اگرچہ نہایت ہی مشکل ہے مگر اس قدر نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے کیونکہ اگر وہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا ہے تو گویا کہ ہم ایک وہمی خدا کی پرستش کرتے ہیں اور اگر یہ کہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں تب وہ خدا خدا نہ رہے گا جو ہمارے ذہن میں سمایا ہے مگر جس قدر جاننے کی طاقت خدا نے بندوں کو بخشی ہے اتنا جانتے ہیں۔ ہاں کماحقہ جاننا محال ہے اس لئے سب کہتے ہیں کہ مَا عَرَفنَاکَ حقِ معرفتکَ لیکن ایک مافوق الفطرت شخص جو الوہیت میں خدا کے برابر ہے وہ فرماتا ہے کہ اے باپ (یعنی پروردگار) میں نے تجھے جانا ہے اور دنیا نے تجھے نہیں جانا اور اس کا فرمانا بجا ہے کیونکہ وہ اوپر سے ہے۔

سوال کا پہلا حصہ کہ خدا کیا ہے

اس کی بابت عقل صرف اتنا کہہ سکتی ہے کہ وہ ایک واجب ہستی جو قائم بذاتہ وغیر مرئی ہے۔

کیونکہ ہر شے قائم بالغیر نظر آتی ہے اور ایک دوسرے پر موقوف ہے اور دورو تسلسل تو باطل ہی ہیں۔ اس لئے چاہیے کہ کوئی ہستی قائم بالذات ہو جس پر تمام سلسلہ منتہی ہوجائے۔

لیکن اس کی نسبت یہ سوال کرنا کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے اور کہاں ہے کوئی کچھ نہیں جان سکتا اور نہ بتلاسکتا ہے آدمی کی عقل نے صرف اس کی ہستی پر گواہی دی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں بتلاسکتی ہے پس اس سوال کے جواب میں کہ خدا کیا ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے بجز اس کے کہ خدا ایک ہستی ہے جس کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہی مدار موقوف علیہ ہے سب موجودات کا اور کوئی بالکنہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔

سوال کادوسرا حصہ کہ کیسا ہے ؟

اگر چہ ہم اس کی ماہیت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن من وجہ کسی قدر بیان کرسکتے ہیں۔مگرپہلے ذیل کے فقروں پر غور کرلیناچاہیےوہ یہ ہیں:

(1) کہ حقائق اشیا ضرور ثابت ہیں یعنی چیزوں کی حقیقتیں جہاں تک انسان کی عقل نے دریافت کی ہیں ضرور ثابت ہیں وہ وہمی یا فرضی نہیں ہیں۔ مثلاً آگ ایک حقیقی چیز ہے جسے جلانے کی طاقت ہے نہ ایک فرضی یاوہمی چیز۔

(2)ہمارے حواس اور ہماری قوت فکری بیکار شے نہیں ہے اور ہمارے صحیح تجربات یقینی ہیں۔

پس جبکہ یہ بات ہے تواب خدا کی نسبت بھی کچھ فکر کرسکتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔

بعض کہتےہیں کہ وہ نرگنُ یعنی بے صفات ہے لیکن یہ بات تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ دنیا کی ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی صفت ہوتی ہے اور ہر ایک چیز میں نئی صفت نظر آتی ہے پس جبکہ مخلوقات میں صفات موجودہیں تواس کے کیامعنی ہیں کہ خالق میں صفات نہ ہوں اس لئے یہ خیال کہ خدامیں کوئی صفات نہیں ہے باطل ہے۔

اس خیال فاسد کا حاصل یہ ہے کہ گویاخداایک بے جان مادہ ہے اور دنیا کا کارخانہ عبث۔

اس خیال میں الہام کی روشنی کی ذرا سی بھی آمیزش نہیں ہے اس لئے یہ خیال نہایت بے ہودہ اور ہلاک کن ہے۔

لیکن جن کو الہام سے کچھ بہرہ ملاہے وہ کہتےہیں کہ

خداواجب الوجود ہے اور جامع جمیع صفات کمال ہے یعنی قدم حیات قدرت علم سمع بصر ارادہ اس میں ہے اور وہ تمام عیوب سے پاک ہے مکان زمان جوہر عرض جہات وغیرہ سے مبرا ہے۔

یہ سارا بیان درست اور اچھا معلوم ہوتاہے کہ خدا ضرور ایسا ہی ہے مگر یہ خیال عقل اور الہام کی آمیزش سے نکلاہے نہ صرف عقل سے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب عقل الہام کی پیروی کرتی ہے تو باعث فلاح دارین بنتی ہے۔ اور جب الہام سے علیحدہ ہوجاتی ہے تو دونوں دنیا میں برباد کرتی ہے اہل اسلام یہاں تک توہمارے ساتھ متفق ہیں مگرآگے چل کر اللہ بیلی ہے۔

بیان بالامیں جوخدا کی نسبت ہے اگرچہ الفاظ مناسب استعمال ہوئے ہیں لیکن تعریف کا مفہوم ادا نہیں کرتے ہیں۔ پس اقتضاء روح کیونکر پورا ہوسکتا ہے اور معرفت جس سے تسلی ہوکہاں کس طرح حاصل سکتا ہے۔

اقتضاء روح صرف اسی سے پورا نہیں ہوسکتا ہے کہ ہم خدا کی نسبت یہ الفاظ سنیں بلکہ اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے پس نہ توعقل کی آنکھ سے کچھ دیکھا نہ جسم کی آنکھ سے مگریہی سنا کہ کچھ ہے۔ اب روح کی سیری کیونکر ہو روح تو دیدار کی مشتاق ہے اور ان باتوں سے جو اوپر مذکور ہیں دیدار توکہاں کچھ مفہوم بھی تسلی بخش خیال کی آنکھ کے سامنے نہیں گذرسکتا۔

پہلے اس بات کو معلوم کرنا چاہیے کہ انسان کی روح خدا کے دیدار کی مشتاق ہے اور یہ اس کی ایک خواہش ہے جوخالق کی طرف سے اس میں رکھی گئی ہے اور یہ عمدہ اور پاک اور اچھی خواہش ہے مگر لوگوں نے بیجاطور پر اس کی تکمیل اپنی مرضی سے کرنے کا ارادہ کرکے کیا کیا کچھ نہیں کیا۔

بہتوں نے اوتار ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا یا لوگوں نے انہیں اوتار فرض کرکے چاہا کہ اپنی اس خواہش کو بجھائیں اور بہتوں نے بت پرستی اسی منشا سے نکالی کہ اپنے خالق کوسامنے دیکھیں۔

ہمہ اوست والوں نے چاہا کہ موجودات پر نظر ڈال کے سمجھیں کہ خدا سب کچھ ہے اور یوں روح کی پیاس بجھائیں اور منکرانِ خدا نے بھی اسی لئے ان کار کیا کہ نہ عقل کی آنکھ سے نہ جسم کی آنکھ سے کسی طرح اسے نہیں دیکھ سکتے جسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

اور اہل اسلام نے بھی اپنی اس خواہش کے سبب کہ روح کچھ دیکھنا چاہتی ہے مراقبہ اور حضوری کی قلب، قیامت میں دیدار الہیٰ کی امید اور قبلہ سازی یا فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول اور بعض نے حسن پرستی وغیرہ حیلوں سے اس پیاس کو بجھانا چاہا پر کسی کی کچھ تسلی نہیں ہوسکتی ہے۔

حاصل تقریر آنکھ ضرور روح میں اقتضا ہے کہ ہم اپنے خدا کو دیکھیں اور آدمی اپنی تجویز سے اس خواہش کے پورا کرنے میں سب طرح سے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور ذہنی فرضی خدا اپنے خیالات میں جمع کرلیتے ہیں اس لئے ان کا دل ناپاک ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ مردہ لیکن خدا اس اقتضا سے واقف ہے اور پورا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اگر کوئی کہے کہ عقلاً حلول منع ہے یعنی الوہیت کا انسانیت میں آجانا عقلاً ناجائز ہے۔ یہ تو سچ ہے مگر قبول منع نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانیت کو الوہیت اپنے اندر لے لے اور یہ اس لئے ہے کہ انسانیت میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ غیر متناہی خدا کو اپنے اندر لے۔ مگر غیر متناہی خدا میں یہ طاقت ہے کہ انسانیت کو جو متناہی ہے قبول کرلے دیکھو اتھاناسیس کے عقیدہ کا یہ فقرہ کہ نہ الوہیت انسانیت سے بدل گئی مگر انسانیت کو الوہیت نے لے لیا۔ پس اس مقام پر حلول کی بات جمانا ہی ناجائز ہے۔ یہاں حلول نہیں ہے یہاں قبول ہے اور اس قبول میں یا کسی صورت میں جب خدا ظاہر ہو تو اس کی صفات کاملہ میں ہر گز کچھ نقصان لازم نہیں آتا مگر اس کی عزت اور بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔

اس بھید کو بھی کماحقہ صرف بائبل ہی نے دکھلایا یا بائبل نے خدا کی صفات اور تعریف مذکور کی نفی نہیں کی بلکہ سب سے زیادہ تاکیدہ کے ساتھ جلال اور قدوسی وغیوری اور ہمہ دانی وغیرہ صفات کے ساتھ خدا اور تشخیص کو بھی خوب دکھلایا ہے (مثلاً توریت شریف کتابِ پیدائش رکوع 3 آیت 8) خدا آدم پر پھرتا ہوا ظاہر ہوا۔ (رکوع 17 آیت 1) اور جب ابراہیم ننانوے برس کا ہوا تب پروردگار ابراہیم کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو (رکوع 26 آیت 2)۔ پھر پروردگار نے اسحاق پر ظاہر ہو کہ کہا مصری کو مت جانا (رکوع 32 آیت 30) یعقوب نے کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا اور میری جان بچ رہی ۔(کتابِ خروج رکوع 3 آیت 6) بوٹے میں سے خدا بولا کہ میں ابراہیم اسحاق یعقوب کا خدا ہوں۔ (یشوع رکوع 5 آیت 15)۔ یشوع سے کہا یہ مکان جہاں تو کھڑا ہے مقدس ہے ۔ (قاضی رکوع 13 آیت 8)۔ منوحہ سے کہا کہ میرا نام عجیب ہے ۔ (1 سموئیل رکوع 3 آیت 10) سموئیل کو بیت اللہ میں آکر پکارا (ایوب رکوع 42 آیت 5) ایوب سے کہتا ہے کہ میں نے تیری خبر اپنے کانوں سے سنی تھی پر اب میری آنکھیں تجھے دیکھتی ہیں (یسعیاہ رکوع 6 آیت 10) میں کہتا ہے کہ میں نے خداوند کو ایک بڑی بلندی پر اونچے تخت پر بیٹھے دیکھا (دانیال رکوع 3 آیت 25)۔ نبوکد نصر کہتا ہے کہ چوتھے کی صورت خدا کے بیٹے کی سی ہے ۔ یہ حال تو پرانے عہد نامے کا ہے لیکن نئے عہد نامہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو آپ کو ابن اللہ اور اللہ بتلاتا ہے اور ساری صفات کاملہ جو الوہیت میں ہیں اپنے اندر صاف دکھلاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا انسان کی صورت میں ہے۔

خدا کوئی قوت نہیں ہے مثل حرارت ، یبوست ، رطوبت برودت وغیرہ کے مگر وہ ایک شخص ہے جس میں تمام صفات کمال موجود ہیں اور وہ مخلوقات سے الگ ہے اور حاضر وناضر اور ہر جگہ اپنے علم اور قدرت سے موجود ہے مگر اپنی ذات پاک سے ممتاز ہے اور وہ ذوالجلال والا کرام ہے اس کی ستائش اور بزرگی ابد تک ہو مسیح خداوند کے وسیلہ سے آمین ۔ فقط۔

نواں لیکچر

تثلیث فی التوحید

واضح ہو کہ خدا کی ذات کے متعلق تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا ذکر الہامی کتابوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔

بعض لوگ اس سے خفا ہوتےہیں اور کلام کی تحقیر کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسی بات پر چونکنا تو مناسب ہے تاکہ ہم شرک کی طرف نہ کھچ جائے لیکن غور نہ کرنا کہ یہ کیا بات ہے اور مطلب ہے کہ یہ بھی بے وقوفی ہے۔

اس معاملہ میں دو باتوں پر سوچنا مناسب ہے اول آنکہ بائبل نے تثلیث کو کس طرح پیش کیا ہے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو تثلیث کے پیش کئے جانے کے طور پر ذرا بھی نہیں سوچتے ۔ تثلیث کے نام سے گھبراتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کے بیان میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور یہ بہت نامناسب بات ہے کہ کسی عقیدہ کو خوب دریافت کئے بغیر اس کو رد کیا جائے لہذا پہلے ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ تثلیث کیونکر اور کس صورت میں ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے اس کے بعد اپنے دلائل بھی ہم پیش کرینگے بائبل میں تثلیث کا ذکر ہے اس کا خلاصہ اگر کوئی دیکھنا چاہے تو اتھاناسیس کے عقیدہ کا پہلا حصہ دیکھ لے جو یہ ہے :

عقیدہ جامعہ یہ ہے کہ ہم تثلیث میں واحد خدا کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کریں۔

نہ اقانیم کوملائیں اور نہ ماہیت کو تقسیم کریں۔

کیونکہ باپ ایک اقنوم بیٹا ایک اقنوم اور روح القدس ایک اقنوم ہے مگر باپ بیٹے اور روح کی الوہیت ایک ہی ہے جلال برابر عظمت یکساں۔

جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے ۔ باپ غیر مخلوق بیٹا غیر مخلوق اور روح القدس غیر مخلوق ہے باپ غیر محدود بیٹا غیر محدود اور روح القدس غیر محدود ہے۔

باپ ازلی بیٹا ازلی اور روح القدس ازلی ہے۔

تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود ہے۔

یوں ہی باپ قادر مطلق بیٹا قادر مطلق اور روح القدس قادر مطلق ، تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔

ویسے ہی باپ خدا بیٹا روح القدس خدا تس پر بھی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے۔

اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند اور روح القدس خداوند تو بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک ہی خداوند ہے۔

کیونکہ جس طرح مسیحی عقیدہ سے ہم پر فرض ہے کہ ہر ایک اقنوح کو جداگانہ خدا اور خداوند مانیں اسی طرح دین جامع سے ہمیں یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔

باپ کسی سے مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود ہے۔

بیٹا اکیلے باپ سے ہے مصنوع نہیں نہ مخلوق لیکن مولود ہے۔

روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود لیکن صادر ہے پس ایک باپ ہے نہ تین باپ ایک بیٹا ہے نہ تین بیٹے ایک روح القدس ہے نہ تین روح القدس۔

اور اس تثلیث میں ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا نہیں بلکہ بالکل تینوں اقانیم ازل سے برابر یکساں ہیں اس لئے سب باتوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا تثلیث میں توحید کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کی جائے۔

یہ پہلا حصہ ہے مقدس اتھاناسیس کے عقیدہ کا جو ہمارے ایمان کا ایک بڑا حصہ ہے اور بائبل کے مختلف مقاموں سے چن کر جمع کیا گیا ہے۔

اب تین فکر واجب ہیں

پہلا فکر اس اعتقاد پر بلحاظ بائبل اور کلیسیا کے کیا جاتا ہے اور اس فکر میں چار باتیں سوچنا ہے۔

(1) یہ مضمون جو اوپر بیان ہوا متفق علیہ ہے سب عیسائیوں کا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو فروعات کی بات ہوتا کہ جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے اور جس کا جی چاہے قبول نہ کرے بلکہ یہ ایک ایسی اصولی بات ہے جس کو سب مانتے ہیں یعنی سب فرقے تثلیث کے قائل ہیں لہذا مسیحی دین کی بنیاد یہ ہے اور تثلیث کے نام پر سب بپتسمہ پاتے ہیں۔

(2) یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یقیناً بائبل یوں ہی سکھلاتی ہے یعنی کسی آدمی کے ذہن کا اختراع نہیں ہے جسے ہم ایک چھوٹی سی بات سمجھ کر چھوڑدیں۔

(3) یقیناً بائبل کے جتنے وعدہ ہیں اسی عقیدہ پر موقوف ہیں۔ اگر یہ ہمارے ہاتھ سے جاتارہے تو پھر ہم ان برکات کی امید نہیں رکھ سکتے جو بائبل میں مذکور ہیں۔

(4)اس عقیدہ کا انکار بائبل اور اہل بائبل سے جدائی کا موجب ہے ۔ اگر ہم اس کو نہیں مانتے تب بائبل سے بالکل جدائی ہوتی ہے اور ان سے بھی جن کے وسیلہ سے یہ بائبل دی گئی ہے۔

دوسرا فکراس عقیدہ پر بلحاظ نفس عقیدہ کے کیا جاتا ہے

(1)اس عقیدہ میں تثلیث کا علاقہ الوہیت کی ذات میں دکھلایا گیا ہے نہ صرف صفات میں ۔ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ذات الہیٰ کا نام باپ ہے اور بیٹاوروح القدس صفات ہیں۔

(2)تین اقنوم بیان ہوئے ہیں ایک ہی ماہیت کے درمیان نہ تین ماہیتیں لیکن تین شخص ہیں ماہیت واحد کے اور اگرچہ ان میں تشخیص ہے تو بھی تین جداگانہ خدا نہیں ہیں۔

(3) یہ تینوں شخص مخلوقیت اور مصنوعیت اور تقدم وتاخر اور خودی اور بزرگی سے الگ ہیں اور غیر محدود ہوکے قدرت وازلیت وابدیت میں یکساں ہیں۔

(4) بیٹا باپ سے بتلایا گیاہے مصنوع ومخلوق نہیں مگر مولود ہے اور معنی ولادت کے نہ عرفی ہیں لیکن فہم سے بالاتر ہیں اور تقدم وتاخر سے الگ ہیں۔

(5)روح القدس باپ اور بیٹے سے بتلایا گیا ہے مگر مصنوعیت ، مخلوقیت اور مولودیت کے طور پر نہیں بلکہ اصدار کے طور پر ہے۔

(6)اور اس تثلیث کی پرستش میں عین واحد خدا کی پرستش بتلائی گئی ہے اور تین خدا بتلانے والے پر ملامت ہے جیسے منکر تثلیث پر بھی ملامت ہے۔

پس کیا یہ بیان جو اوپر ہوا عقلی ہے کوئی بشری سے اسے سمجھ سکتا ہے ہر گز نہیں تب یو یقیناً کسی آدمی کی عقل سے نہیں نکلا اگر عقل سے نکلتا تو عقل میں آسکتا یہ خدا سے ہے جو عقل سے بالا ہے۔

تیسرا فکراس عقیدہ کے فہم کی طرف کیا جاتا ہے اس کے معلم کی ہدایت کے لحاظ سے

اس وقت یہ سوال ہے کہ یہ عقیدہ ہمیں سمجھا دو اور یہ سوال نہ اپنی عقل سے پیدا ہوا ہے نہ عقلائے جہان کے ذہن سے نہ کسی پادری کے علم سے بلکہ اس کی طرف سے پیدا ہوا ہے جس نے یہ عقیدہ سکھلایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے

کہ یہ مسئلہ ادراکی نہیں ہے بلکہ وجدانی ہے اور ادراک ووجدان میں بہت بڑافرق ہے۔ ادراک سے مراد وہ تصورات ہیں جو احاطہ عقل میں سما کر ذہن انسان میں منقش ہوسکتے ہیں لیکن یہ تثلیث کا بیان اس ذات کا بیان ہے جو احاطہ عقل سے نہایت بلند وبالاہے۔ سو اس کا ادراک ذہن میں طلب کرنا ہی خلاف عقل ہے ۔ دیکھو ایوب پیغمبر کیا کہتا ہے (ایوب رکوع 11آیت 7) کیا تو اپنی تلاش سے خدا کا بھید پا سکتا ہے یا قادر مطلق کے کمال کو پہنچ سکتا ہے وہ توآسمان سا اونچا ہے تو کیا کرسکتا ہے پاتال سا نیچا ہے تو کیا جان سکتا ہے ؟

لیکن وجدان خدا کی طرف سے ایک انکشاف ہے انسان کی روح پر جس سے روح تسکین اور یقین اور ایک گونہ علم بھی پیدا ہوجاتا ہے یعنی یہ اعتقاد اسی انکشاف سے روح پر منکشف ہوتا ہے تب روح اسے قبول کرتی ہے اور ذہن سجدہ کرتا ہے یہی سبب ہے کہ سب خادمان دین اس اعتقاد کے طالبان فہم کو دعاؤں کے لئے تاکید کرتے ہیں تاکہ اس حقیقی معلم کی طرف رجوع کریں جو اپنے خاص بندوں پر ظاہر ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔

دیکھو جب پطرس نے دوسرے اقنوم کا اقرار کیا کہ تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے تو مسیح نے یوں فرمایا (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی رکوع 16 آیت 17) میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کیا۔

رسول مقبول کہتا ہے کہ جو باتیں آنکھ اور کان اور عقل کے احاطہ سے باہر ہیں ان کو خدا نے اپنی روح کے وسیلہ سے ہم پر ظاہر کیا (خطِ اول اہلِ کرنتھیوں رکوع 2 آیت 10)۔

اور دوسرے مقام پر خداوند نے صاف کہہ دیا ہے (حضرت متی رکوع 11 آیت 25) کہ " اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے ان چیزوں کو داناؤں اور عقلمندوں سے چھپایا اور بچوں پر ظاہر کردیا۔"

داناؤں اور عقلمندوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو عقل پر نازاں ہیں اور مغرور ہیں اور الہام کی بہ نسبت عقل پر زیادہ زور دیتے ہیں ۔وہ گویا اپنے ہاتھ سے خزانہ شاہی پر دست اندازی کرنا چاہتے ہیں۔ کہ خدا کے اسرار مخفی میں بھی عقل کا ہاتھ ڈال کر جو چاہیں اٹھالیں۔ وہ گدائی کے طور پر خدا سے عرفان نہیں مانگتے ہیں لیکن گھر کے مالک بننا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خدا نے بطور سزا کے ان عمیق باتوں کو پوشیدہ رکھا ہے۔

جب مسیح نے یائر سردار کی بیٹی کو زندہ کیا تو ٹھٹھے بازوں کو باہر نکالا جو عقل کے موافق صرف عادت کے پیرو تھے اور قدرت پر ذرا بھی خیال نہ کرتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے ٹھٹھا مار کے کہا تھا کہ لڑکی تو مرچکی ہے استاد کو تکلیف نہ دے تب مسیح نے انہیں باہر نکالا تا کہ الہیٰ جلال نہ دیکھیں یہ بے ایمانی کی سزا کے سبب سے تھا۔

اس نے تو خود فرمایا کہ اپنے موتی سوروں کے آگے مت پھینکو۔ پس جس نے اپنے شاگردوں کو شریروں کے سامنے موتی پھینکنے سے منع کیا کیا وہ خود شریروں پر اپنے پاک بھید ظاہر کرے گا ؟ ہر گز نہیں۔

ہاں اس نے بچوں پر ظاہر کردیا اب خواہ وہ بچے عالم تھے یا جاہل مگر وہ خدا کی ہدایت کے محتاج تھے وہ خدا کی مرضی کے تابع اور فروتن تھے نہ خدا کے صلاح کار اور اس کے کارخانہ کے حصہ دار ۔

یہ بچے انعام کے سزاوار تھے کیونکہ انہوں نے خدا کی عزت کی اور اپنے مرتبہ عبودیت سے آگے نہ بڑھے اور ساتویں لیکچر کے موافق ان کی روحیں بچنے کے لئے تیار تھیں اس لئے خدا نے ان پر فضل کیا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ اہل جہل بسیط ہمیشہ ترقی کرجاتے ہیں اور اہل جہل مرکب نادانی میں مرتے جاتے ہیں اور ہمیشہ پست حال لوگ سر بلندی حاصل کرتے ہیں لیکن مغرور شکست کھاتے ہیں ۔

پس تیسرا فکر کا حاصل یہ ہے کہ :

تثلیث فی التوحید ادراک ذہن سے بالکنہ بلند وبالا ہے لیکن خدا اسے آدمیوں کی روحوں پر منکشف کرتا ہے اور یہ انکشاف تصور عقلی سے زیادہ تر مفید ہے اور خدا آپ فروتنوں کو یہ انکشاف بخشتا ہے اور مغرور اس کے مستحق نہیں ہوتے ہیں جب تک فروتنی اختیار نہ کریں۔

سارے لیکچر کا خلاصہ

(1) تثلیث فی التوحید پر رسولوں اور مقدسوں کا سارا سلسلہ متفق ہے اس کا انکار اس سلسلہ سے جدائی کا باعث ہے۔

(2) اس کا انکار دلائل عقلیہ ونقلیہ سے جس طرح پر کہ کیا جائے تو وہ سب دلائل تثلیث پیش شدہ کی کسی نہ کسی مقدمہ کی عدم رعایت کے سبب باطل ٹھہرتے ہیں۔

(3) تثلیث فی التوحید اگرچہ عقل سے بلند اور ادراک سے بالا ہے تو بھی اس کا انکشاف روح پر ہوتا ہے اگر یہ بات عقل سے ذہن میں آسکتی تو بھی اس کی بات ہر گز کامل تسکین نہ ہوسکتی تھی لیکن وہ انکشافات جو اللہ کی طرف سے بخشا جاتا ہے وہی اس بارہ میں کامل تسلی کا باعث ہوسکتا ہے پس یہ کہنا کہ تثلیث کو ہم نہیں سمجھتے سچ ہے اور یہ کہنا کہ ہم اسے جانتے اور مانتے ہیں سچ ہے فقط۔

دسواں لیکچر
تثلیث کی توضیح

ان لوگوں کا جو عقل پر زیادہ زور دیتے ہیں الہام کی نسبت ان کی ساری تقریروں کا حاصل حسب ذیل ہے :

وہ کہتےہیں کہ تثلیث کا اعتقاد باطل ہے اور خلاف عقل ہے جس کو کوئی عقلمند شخص قبول نہیں کرسکتا ہے کیونکہ توحید نفی تعدد پر دلالت کرتی ہے اور تثلیث اثبات تعدد پر اور یہ دو نقیضین ہیں ان کا اجتماع شخص واحد میں آن واحد کے درمیان حقیقی طور پر محال ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ یہ عقیدہ الہامی ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ الہام عقل کا محکوم ہے۔ نہ عقل کا حاکم کیونکہ ثبوت الہام عقل پر موقوف ہے اور تکلیف شرعی اہل عقل کو ہے پس جو بات عقل کے خلاف ہووہ بات الہامی نہیں ہوسکتی ہے۔

ان لوگوں کا یہ اعتراض تین وجہ سے قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا ہے۔

پہلی وجہ ہم پوچھتے ہیں کہ آیا کل بنی آدم کی عقل اس کو خلاف اور باطل بتلاتی ہے یا خاص ایک دو قوم کی عقل پس عقل خاص سے عقل عام پر فتویٰ دینا کونسی عقلمندی ہے۔

اگرچہ سینکڑوں کی عقل نے اس کو قبول نہیں کیا توچنداں مضائقہ نہیں کیونکہ کروڑوں کی عقل نے اسے قبول کیاہے۔

مثلاً اگرچہ بعض کی عقل نے خدا کے وجود کا انکار کیاہے تو کروڑوں کی عقل نے خدا کو قبول بھی کیاہے اب کوئی منکر خدا یہ نہیں کہہ سکتا کہ مطلق عقل خدا کو قبول نہیں کرسکتی ہے اگر ایسا کہے تو یقیناً بےوقوف ہے ہاں وہ کہہ سکتاہے کہ میری عقل خدا کو قبول نہیں کرسکتی ہے۔

اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ عقل سلیم اس عقیدہ کو نہیں مان سکتی ہے تولازم ہے کہ ہمیں دکھلائیں کہ عقل سلیم کہاں سے آیا عام طور پر دنیا کے لوگوں میں پائی جاتی ہے یا کسی خاص قوم میں یا منکروں ہی کووہ عنایت ہوئی ہے۔

برخلاف اس کے اور قوموں کے بالمقابل اہل تثلیث کے درمیان زیادہ تر عقلی روشنی وخوبی پائی جاتی ہے ہم کیونکر کہیں کہ عقل سلیم صرف منکروں میں ہے اور مسیحیوں میں نہیں ہے۔

پس یہ کہنا چاہیے کہ میری عقل میں تثلیث کا بھید نہیں آتا نہ یہ کہ کوئی عقلمند اس کو قبول نہیں کرسکتا ہے۔

دوسری وجہ منکروں نے جو دلیل پیش کی ہے وہ ناکامل دلیل ہے قبولیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ اثبات تعداد اور نفی تعدد کا اجتماع اگرچہ عقلاً محال ہے تو یہ مادیت کا قاعدہ ہے اگر ماہیت الہیٰ پر بھی یہ قاعدہ جاری ہوجائے توسب پر اس قسم کے قاعدے جاری ہونگے اس صورت میں مخالفین کو بے حد مشکلات کا سامنا ہوگا۔

مثلاً اس صانع کا وجود جو مادی نہ ہو عقلاً محال ہے یہ بات قیاس میں ہر گز نہیں آسکتی ہے کہ غیر مادی خدا نے اس مادی جہان کو کیونکر پیدا کردیا۔ نجار کبھی میز نہیں بناسکتا جب تک لکڑی اور اوزار اس کے پاس نہ ہوں دیکھئے ہمارا یہ قاعدہ خدا پر ہر گز جاری نہیں ہوسکتا اسی طرح وجود بغیر مکان کے کس طرح خیال میں آسکتاہے لیکن ہم خدا کو موجود اور مکان سے منزہ مانتے ہیں۔

اسی طرح کسی موجود کو جو جہات ستہ سے مبرا ہو عقل قبول نہیں کرسکتی ہے حالانکہ خدا جہات ستہ سے پاک ہے اور نہ زمانہ کی قید سے آزاد ہے۔ اسی طرح خدا کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات اگر خدا کی صفتوں کو عین ذات مانو توموجودات بھی الوہیت کے درجہ میں ہونگے اور اس صورت میں مسئلہ ہمہ اوست بھی درست ہوگا جو عقلاً باطل ہے اور اگر خدا کی صفات غیر ذات ہیں تو ان کا انفکاک جائز ہوگا مثل سب دیدنی صفات کے اس صورت میں خدا ناقص ٹھہریگا لہذا مجبوراً یہ بات مانی جاتی ہے کہ اس کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ بین بین کوئی اور درجہ ہے جو قیاس سے باہر ہے۔

پس یا توسب عقلی قاعدے اس پر جاری کرو اور خدا کوہاتھ سے کھو بیٹھو اور یا سب عقلی قاعدوں سے اسے بلند اور بالاجانو اور چون وچرا کو اس میں دخل نہ دو اور ماوریٰ العقل خدا کا اقرار کرو۔

اب ہم نفیس دلیل کی طرف متوجہ ہوتےہیں۔

تعداد کا نفی یہ لوگ لفظ وحدت سے نکالتے ہیں اگرچہ یہ بات سچ ہے مگر کس حیثیت سے اس پر کچھ غور نہیں کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ الوہیت کی ماہیت واحد ہے اس کی ماہیت میں کوئی دوسری ماہیت شریک نہیں ہے وہ ایک ماہیت ہے جو سارے موجودات پر خدائی کرتی ہے۔

اور اثبات تعدد لفظ تثلیث سے نکالتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ یہ تعدد کس حیثیت سے ہے تثلیث کا تو یہ مطلب ہے کہ وہی ایک ماہیت ہے جس میں تین شخص ہیں اگرچہ وہ تین شخص ہیں تو بھی انہیں تین خدا کہنا کفر ہے کیونکہ ماہیت واحد ہے نہ کہ تین ماہیتیں۔ اگر ہم یوں کہتے کہ خدا ایک ماہیت ہے اور وہی خدا تین ماہیتیں ہیں تو البتہ تناقض ہوسکتا تھا۔ یہ تو تناقض ہی نہیں یہاں تو من وجہٍ کی قید ہے یعنی خدا ایک ماہیت ہے وہی ایک ماہیت تشخیص کے اعتبار سے تین اقنوم رکھتی ہے پس اس تقریر کا مفہوم جہاں تک ادراک میں آسکتا ہے تناقض سے پاک ہے کیونکہ دو باتیں ہیں جدا جدا جو عقیدہ مذکورہ سے نکلتی ہیں۔

دوسری بات

الہیٰ وحدت، اور الہیٰ تثلیث ان دونوں باتوں کے مفہوم عقلاً ذہن سے بالا ہیں۔

وحدت الہیٰ کا مفہوم ہر گز ذہن میں نہیں آسکتا ہے کیونکہ خدا میں نہ تو وحدت الوجود ہے اور نہ وحدت عرفی یا حقیقی ہے اور ان دو وحدتوں کے سوا کوئی تیسری وحدت خیال میں نہیں آسکتی ہے۔

وحدت الوجود ہمہ اوست کا بیان ہے جو باطل ہے وحدت عرفی کو جہات اور مکان لازم ہے جس سے خدا کو عقلاً بری اور پاک جانتے ہیں۔ پس وہ کونسی وحدت ہے جو خدا میں ہے اس لئے یوں کہا جاتا ہے کہ وحدت غیر مدرک اس میں ہے یعنی ایسی وحدت ہے جو قیاس سے باہر ہے۔

اسی طرح تثلیث کا مفہوم ذہن سے خارج ہے اگرچہ منوجہ ظاہر ہے لیکن بالکنہ اس کا سمجھنا مشکل ہے۔

پس دو مدرک مفہوم میں سے ابطال یا اثبات کا نتیجہ تم کس علم کے قاعدے سے نکالتے ہو تمہارے پاس تو ایک بھی معلوم نہیں ہے جس کے وسیلہ سے مفہوم کو دریافت کرسکو اس لئے تمہارا خیال باطل ہے۔

اگر یہ کہو کہ اگرچہ ادراک بالکنہ تو نہیں ہے مگر ادراک منوجہٍ تو ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ادراک من وجہٍ ہی سے اوپر دکھلایا گیا ہے کہ ان میں تناقض نہیں ہے وہ مضمون ہی جدا ہیں وحدت ماہیت کو دکھلاتی ہے تثلیث اسی ماہیت واحد میں تین شخص بتلاتی ہے پھر تناقض کہاں ہے۔

ہاں لفظ وحدت اور لفظ تثلیث میں بظاہر تناقض ہے مگر ان کی مفہوم میں جو جداگانہ ہیں تناقض نہیں ہے پس ایسی دلیل ہی پیش کرنا عقلی ہدایت کے خلاف ہے اس لئے تمہاری دلیل باطل ہے۔

انکی دوسری دلیل

یہ ہے کہ الہام عقل کو محکوم ہے کیونکہ اس کا ثبوت عقل پر موقوف ہے چنانچہ یہ بھی باطل ہے۔

لیکچر دوم میں دکھلایا گیا ہے کہ عقل بہت باتوں میں لاچار ہے اور اس لئے ہم الہام کے محتاج ہیں اور یہ کہ عقل سے الہام ثابت ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ عقل الہام کا حاکم ہوجائے ہم نے خدا کو عقل سے جانا ہے تو بھی خدا عقل کا محکوم نہیں۔ جو چیزیں عقل سے پہچانی جاتی ہیں وہ عقل کی محکوم نہیں ہوا کرتیں بلکہ عقل ان کی خادم ہوتی ہے۔ دیکھو آنکھ کے وسیلہ سے سورج کو اور اس کی روشنی کو ہم نے دیکھا ہے تو بھی سورج ہماری آنکھ کا محکوم نہیں ہے مگر آنکھ اس سے فائدہ اٹھاتی ہے گویا وہ آنکھ کا حاکم ہے۔

دوسرا فکر

ان لوگوں کا ہے جو الہام کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر الہامی کتابوں میں تثلیث کا ذکر ہے تو یہودی اس کے کیوں منکر ہیں لہذا یہ صرف انجیل کا عقیدہ ہے نہ کتب سابقہ کا۔

یہ فکر بھی باطل ہے جس کا جواب یہ ہے کہ:

ہمارا بھروسہ نہ صرف آدمیوں کے خیالوں پر ہے بلکہ خدا کی کتابوں پر ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ اپنی مسلمہ کتاب کے خلاف کبھی دھوکے کے سبب آدمیوں کا خیال کچھ اور ہوجائے۔

دیکھو عصمت انبیاء کی نسبت بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں حالانکہ کتب الہامیہ اور قرآن بھی اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں پس آدمیوں کے خیال ہی قابل تمسک نہیں ہیں یہودی تو اس مسیح کو بھی نہیں مانتے تو کیا ان کے نہ ماننے سے ہمارے سارے قومی دلائل جو اس مسیح کے ثبوت میں ہیں رد ہوسکتے ہیں؟

یہودی تو کلام کے روحانی معنی بھی نہیں سمجھتے تو کیا ان کے جسمانی بے ہودہ معنی کچھ چیز ٹھہرینگے یاد رکھنا چاہیے کہ بائبل نے معرفت الہیٰ کے بارہ میں بتدریج ترقی بخشی ہے نہ دفعتاً ، جیسے سورج درجہ بدرجہ چڑھتا ہے یا طفل ترتیب کے ساتھ تعلیم پاتے ہیں یا درخت بتدریج بڑھتے ہیں۔

ابراہیم واسحاق ویعقوب پر خدا نے آپ کو قادر مطلق کے نام سے ظاہر کیا اور موسیٰ پر یہوواہ کے نام سے ظاہر ہوا (توریت شریف کتاب خروج رکوع 6 آیت 3)۔ " میں نے ابراہیم واسحاق ویعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے تیئں ظاہر کیا۔" اور یہوواہ کے نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا۔ شیطان کا ذکر عہد عتیق میں نہایت مجمل سا ملتا ہے لیکن عہد جدید میں اس کا صاف صاف بیان ہے تو کیا اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابراہیم واسحاق ویعقوب نے خدا کا نام یہوواہ نہیں بتلایا اب موسیٰ کا بتلایا ہوا ہم کیونکر مانیں یا پورانے عہد نامہ نے شیطان کا مفصل حال نہیں سنایا اب ہم انجیل کا زیادہ بیان کیوں قبول کریں۔

دیکھو تو عہد عتیق تو آپ ہمیں کسی اعلیٰ ہدایت کا امیدوار بناتا ہے اور آپ کو تکمیل طلب ظاہر کرتا ہے چنانچہ یہ بات بہت سے مقاموں سے ثابت ہے اس وقت عہد عتیق کے اول وآخر ووسط میں خدا کی تین مہریں اس بات پر ملاحظہ ہوں۔

(توریت شریف کتاب استشناء رکوع 18 آیت 15)۔ تم اس طرف کان دھریو۔ اگر اس کی نہ سنو گے تو مطالبہ ہے۔

(بائبل مقدس صحیفہ حضرت یسعیاہ رکوع 2 آیت 3)۔ خداوند کا کلام یروشلم سے نکلیگا۔

(صحیفہ حضرت ملاکی رکوع 4 آیت 2)۔ لیکن تم پر جو میرے نام سے ڈرتے ہو آفتاب صداقت طالع ہوگا۔

اور یہ بات یقیناً صحیح اور درست ہے کہ عہد جدید ، ہی عہد عتیق کا تکملہ ہے بغیر عہد جدید کے عہد عتیق ایک بدن ہے جس میں روح نہ ہو۔ عہد عتیق کی سب باتیں عہد جدید میں حل ہوتی ہیں ایسا کہ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد عتیق یقیناً عہد جدید کا سایہ تھا لیکن یہ بات ان پر ظاہر ہے جو ان کتابوں سے واقف ہیں۔

ممکن ہے کہ تصویر میں کوئی دقیقہ قابل تشریح باقی رہ جائے مگر جب اس تصویر کا عین ظاہر ہوئے تو وہ دقیقہ خود بخود سمجھ میں آجائیگا اور جبکہ تصویر شمسی ہے جس میں غلطی ہی نہیں ہوسکتی ہے تو عین کے تمام دقائق اس میں برابر ملینگے۔ اب کہ انجیل نے تثلیث کو خوب دکھلایا تو چاہیے کہ انجیل کے سایہ یا تصویر میں تلاش کریں کہ تثلیث کے نشان ہیں یا نہیں وہاں تو کثرت سے یہ اسرار بیان ہوئے ہیں۔

(توریت شریف کتاب پیدائش رکوع 1 آیت 1و2)۔ میں خداوند خدا کی روح اور کلمہ پر اشارہ ہے۔ (رکوع 1 آیت 28)۔ لفظ ہم بنائیں۔ ہر گز تعظیم کے لئے نہیں ہے جو ہندوستان وغیرہ کا محاورہ ہے مگر کثرت فی الوحدت کو دکھلاتا ہے جو تثلیث ہے اور نہ فرشتے مخاطب ہیں۔

(رکوع 3 آیت 22)۔ آدم ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا صاف ظاہر کرتا ہے کہ الوہیت میں اقانیم ہیں جو برابر کا رتبہ رکھتے ہیں۔ (رکوع 11 آیت 7)۔ ہم اتریں ان کی بولی میں اختلاف ڈالیں (صحیفہ حضرت ہوسیع رکوع 1 آیت 7)۔ یہوداکے گھرانے پر رحم کرونگا اور انہیں یہوواہ خدا کے وسیلہ سے نجات دونگا۔

دیکھو ایک اقنوم دوسرے اقنوم کے وسیلہ سے نجات کا وعدہ کرتا ہے۔ (پیدائش رکوع 19 آیت 24)۔ یہوواہ نے دوسرے یہوواہ کی طرف سے دوم وعمورہ پر آگ برسائی یعنی بیٹے نے باپ کی طرف سے (زبور شریف رکوع 11 آیت 1)۔ خدانے میرے خدا سے کہا کہ میرے دہنے ہاتھ بیٹھ۔ باپ نے بیٹے کو دہنے بٹھلایا۔

(صحیفہ حضرت زکریاہ رکوع 13 آیت 7)۔ ایک شخص کا ذکر ہے جو خدا کا ہمتا ہے وہ سیدنا مسیح ہے جس نے خود اس خبر کو اپنی نسبت انجیل میں بتلایا۔

ان کے سوا بہت سے دقیق اور گہرے مقام ہیں جو بہت غور سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اور خدا کی روح کا ذکر توجگہ جگہ عہد عتیق میں ہے۔ پس یہودیوں کا نہ ماننا کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے ہم تو ثابت کرچکے ہیں کہ یہودی لوگ بہت سے بھیدوں کو یقیناً نہیں جانتے۔ تو بھی جتنے ان میں سے غور کرتے ہیں مان جاتے ہیں اور دین عیسائی کا شروع انہیں یہودیوں سے ہوا ہے پس نہ سب یہودی نہیں مانتے مگروہ نہیں مانتے جو سب کچھ نہیں مانتے اور یقیناً وہ گمراہ ہیں۔

تیسرا فکر

ان کا ہے جو تثلیث کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کو اپنے ایمان کی بنیاد سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عقل بیشک عمدہ چیز ہے مگر اپنی حد کے اندر کون اس قاعدہ کو رد کرسکتا ہے؟

جہاں عقل کا ہاتھ نہیں پہنچتا وہاں عقل ہی کی صلاح سے ہم الہام کی پیروی کرتے ہیں۔

کیونکہ الہام نے ان انسان کی اصلاح کے بارہ میں عقل سے زیادہ ہمیں تعلیم دے کے اور پیش گویوں کے وسیلہ سے اپنی بصارت بے حد دکھلا کے اور معرفت الہٰی کے اسرار بکثرت ظاہر کرکے ہمیں اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔

پس معرفت ذات الہٰی کے بارہ میں جو کچھ وہ بتلاتا ہے ہم بے چون وچرا مانتے ہیں اور عقل ہی ہمیں یوں سکھلاتی ہے کہ الہام سے انحراف کرنا ہلاکت میں جانا ہے۔ فقط۔

گیارھواں لیکچر

برحق خدا

(1) ہر ایک کتاب جو مدعی ہدایت ہے اپنی سب ہدائیتوں کے ساتھ ایک خدا کو بھی پیش کرتی ہے۔

اگروہ کتاب خدا کی طرف سے ہے تو اس میں خدا نے اپنے آپ کو ضرور ظاہر کیا ہوگا۔

اور اگر وہ کتاب انسان کی عقل سے ہے تو وہ خدا بھی جو اس میں مذکور ہے عقل کا ایجاد ہوگا۔

(2) اگرچہ فی الحقیقت سب کا خالق ایک ہی خدا ہے مگر سب کے ذہن میں ایک ہی خدا نہیں بستا ہے۔

اہل ہمہ اوست کے ذہن میں وحدت الوجود کا خدا بستا ہے۔

اہل اسلام کے ذھن میں وہ خدا ہے جو لم یلد ولم یولد بغیر تثلیث اور مقدر خیر وشر ہے۔

بعض ہنود کے ذہن میں نرگن خدا ہے۔ اور بعض کے خیال میں ستوگن خدا ہے۔ عیسائیوں کے خیال میں تثلیث فی التوحید کا خدا ہے جس کا ازلی حقیقی بیٹا سیدنا عیسیٰ مسیح ہے اور صرف خیر کا خدا ہے مقدر شر نہیں ہے۔

اسی طرح کے فرق لوگوں کے ذہن میں ان خداؤں کی نسبت پائے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کا خدا جدا ہے۔

(3) جیسے کہ پیش شدہ کتاب کی سب ہدایت پر اور پیش کنندہ کی حالت پر محقق کو فکر کرنا واجب ہے ایسے ہی بلکہ اس سے زیادہ پیش شدہ خدا کی نسبت فکر کرنا واجب ہے۔

(4) آج کے روز بائبل والے خدا کی نسبت فکر کیا جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے ابھی اتنی فرصت نہیں ہے کہ ہر پیش شدہ خدا پر فکر کرکے دکھلاؤں کہ وہ کیسے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان خداؤں میں بائبل والے خدا کی صفتیں ہرگز نہیں اس لئے وہ سب خیالی خدا ہیں جو عقل کے ایجاد ہیں۔

(5) بائبل والا خدا ہم اس خدا کو کہتے ہیں جس کا ذکر بائبل میں ہے اور جو بائبل میں آدمیوں کو ہدایت کرتا ہے ۔ اسی خدا کی نسبت فخر کے ساتھ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہی سب خداؤں میں سچا اور برحق اور پرستش کے لائق خدا ہے اس کو قبول نہ کرنا سچے خدا سے بالکل الگ ہونا ہے۔

(6) اس بات کو عقل نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ خدا میں بیحد خوبیاں ہیں۔ لیکن عقل میں ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ ان بیحد خوبیوں کا ذکر جیسا کہ مناسب ہے بیان کرسکے اس لئے وہ کتاب جو آدمی کے خیال سے نکلی ہے اس خوبی سے ضرور خالی ہوگی اور وہ کتاب جو خدا کی طرف سے ہے اس خوبی سے بھرپور ہوگی۔

(7) ہم کو اس بات سے ہرگز فریب نہ کھانا چاہیے کہ کوئی معلم ہمیں اپنی عقل کی حد تک خدا کی خوبیاں سنا کے کھے کہ ہماری کتاب میں خدا کو کریم ،رحیم ، غفور، حلیم، حکیم، قدوس، قادر وغیرہ کہا گیا ہے اس لئے یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی خدا کی بعض خوبیاں کہیں سے سنکر سنائے۔

مگر اس بارہ میں تسلی کا موجب دو باتیں ہونگی۔

(1) وہ کتاب خوبیوں کا مخزن ہو ایسا کہ ہر عقلمند اور حق جو آدمی کو اس کے دیکھنے سے کامل اطمینان حاصل ہو اور اس کی ضمیر اس کے من جانب اللہ ہونے پر گواہی دے ۔

(2) یہ خوبیاں نہ صرف چند الفاظ میں منحصر ہوں بلکہ اس خدا کی اوامرو نواہی اور واقعات واخبارات گواہی دیں کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے۔

دفعات بالا پر نظر کرکے

ہم کہتے ہیں کہ صرف بائبل ہی میں خدائے برحق ظاہر ہوا ہے اور دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ہوا کیونکہ ۔

اگر کوئی آدمی عمر بھر خدا کے اوصاف بائبل میں سے نکالے تو عمریں تمام ہوجائینگی مگر خدا کے اوصاف بائبل میں سے ختم نہ ہونگے ۔

اور اس بات پر علاوہ اس گواہی کے جو ہماری تمیز دیتی ہے۔ کلیسیا کا الہیٰ کتب خانہ جو 18 سو برس میں تیار ہوا ہے دوسرا گواہ ہے ۔

اس وقت بائبل میں سے خدا کے صرف وہی اوصاف بیان کئے جائینگے جو نہایت بدیہی اور واضح ہیں باقی اوصاف ناظرین کی تجسس پر چھوڑدیئے جاتے ہیں۔

بائبل کے خدا کی پہلی خوبی

بائبل کے اوامرو نواہی ایسے عمدہ اور پر مغز ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے ۔ جہاں کہیں یہ کتاب پہنچتی ہے وہاں خیر اور برکت اس کے ہم عنان جاتی ہیں۔

2۔ خوبی

بائبل کا خدا نہ تو دوزخ کا دہشتناک منظر دکھا کر اور نہ ہی جنت کے حور وغلمان کا لالچ دلا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

3۔ خوبی

بائبل کا خدا انسان کو جہاں تک اس کا حق ہے جائز آزادی دیتا ہے اور جہاں تک انسان کی بہتری ہے وہاں تک اس کو مفید رکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ ایمان اور امید کے ساتھ جو چاہو سو کرو مگر خدا کا جلال ہر حال میں مد نظر رہے ۔

4۔ خوبی

بائبل کا خدا چاہتا ہے کہ لوگ اس کی اطاعت خوشی سے کریں وہ بھاری بوجھ جبراً کسی کے سر پر نہیں رکھتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہ کرو تو تمہاری بہتری ہے اگر نہ کرو تو ہلاکت ہے۔ اب تمہیں اختیار ہے جس کو چاہو پسند کرو۔

5۔ خوبی

بائبل کا خدا انسان کو ہر طرح سے قائل کرکے ایسی ہدایت کرتا ہے کہ اگر آدمی اس کی ہدایت سے نہ سدھرے تو پھر ناممکن ہے کہ کوئی اور ہدایت دنیا میں اس کی اصلاح کرسکے۔

6۔خوبی

بائبل کا خدا باقی خود ساختہ خداؤں سے زیادہ تر ہماری روحوں کا قدر دان ہے ۔اس کے نزدیک سارے جہان کی قیمت سے زیادہ ایک روح کی قیمت ہے اس لئے وہ نہیں چاہتا ہے کہ کسی کی روح ہلاک ہو۔

7۔خوبی

بائبل کا خدا چاہتاہے کہ ہم لوگ گناہ سے اور گناہ کے عذاب سے بالکل چھوٹ جائیں یہاں تک کہ گناہ اوراس کا نتیجہ جس میں ہم اب مبتلاہیں بالکل مفقود ہوجائے اور اس مقصد کے لئے اس نے ذیل کے انتظام بتلائے ہیں:

(1)وہ اپنے کلام کی روشنی میں گناہ کی قباحتیں دکھلاکے گناہ سے نفرت دلاتا ہے ۔

(2)وہ روح کی ایک قوت غیبی عطا کرکے ہماری روحوں کو گناہ کی قید سے چھڑاتا ہے۔

(3)اس کے بعد وہ ایک نئے بدن کا وعدہ کرتاہے تاکہ خدا کی صورت میں ہو کر گناہ اور اس کے نتیجہ سے بالکل علیحدہ رہے۔

8۔خوبی

جو کوئی اس خدا پر ایمان لاتا ہے تو وہ اس کا معلم اور مودب اور بادشاہ اور قوت بن کر اس کے دل میں سکونت کرنے لگتاہے تاکہ اس آدمی کو بچائے اور اسے ابدی مکانوں کے لائق بنائے اور اس کے وسیلہ سے اپنا جلال ظاہر کرائے اور پھر اس آدمی کی باطنی ترقی ہونی شروع ہوجاتی ہے اور دنیا کہتی ہے کہ یہ شخص کیا سے کیا ہوگا۔

9۔خوبی

بائبل کا خدا آپ کو اپنے بندوں کا باپ بتلاتا ہے ۔ اور تین قسم کی پیدائش عنایت کرتا ہے۔

پہلے اس جہان میں نیست سے ہست کرنے کی پیدائیش ۔ جو عام ہے ۔ دوسرے الہیٰ مزاج میں داخل ہونے کی پیدائش ۔ جو ایمان سے ہے ۔ تیسرے قیامت کے فرزند ہونے پیدائش۔ جو گھر میں جانے کا وقت ہے اور جب اس کا مزاج درجہ بدرجہ ہم میں پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے تب وہ ہمیں فرزند کہتا ہے۔

اور شیطانی مزاج والے لوگوں کو ابلیس کے فرزند یاد نیا کے لڑکے یا سانپ کے بچے کہتا ہے۔

کیونکہ جس کا تخم انسان میں ہے وہ اس کا فرزند ہے جب ہم الہیٰ مزاج میں داخل ہوتے ہیں۔ تب محبت وخیر خواہی۔ پاکیزگی، حلم، دیانت اور الہیٰ زندگی اور الہیٰ راستبازی ہم میں آجاتی ہے اور یوں اس ک صفتیں ہمارے درمیان جلوہ گر ہو کر ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ضرور ہمارا باپ ہے اور شیطانی ونفسانی صفتیں آدمی میں آکر ظاہر کرتی ہیں کہ وہ شیطان کا فرزند ہے۔

10۔خوبی

اس کے شئون ثلاثہ جن کا ذکر نویں ودسویں لیکچر میں ہوا صاف صاف بائبل میں اور واقعات میں ہمیں نظر آتے ہیں کہ ضرور باپ نے جو پہلا اقنوم ہے ہمیں پیدا کیا ہے۔

اور ضرور بیٹے نے جو دوسرا اقنوم ہے خدا کے ساتھ ہمیں ملایا ہے اور ضرور روح القدس جو تیسرا اقنوم ہے ہمیں خدا سے ملنے کے لئے تیاری کررہی ہے۔

11۔خوبی

بائبل کا خدا ہمیں اس قدر پیار کرتا ہے کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجا تاکہ ہم گنہگاروں کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں سہے اور بالآخر اپنی جان دے کر ہمیں گناہوں کی قید سے رستگاری بخشے یہ ایک ایسی محبت ہے جس کی مثل دنیا پیش نہیں کرسکتی ہے۔

12۔خوبی

بائبل کا خدا نہ صرف زندہ خدا ہے بلکہ وہ عالم الغیب خدا ہے جس نے اپنے مقدس بندوں کی تسکین کی خاطر تمام آئندہ واقعات کو صاف صاف بیان کیا ہے تاکہ کسی واقعہ کے واقع ہوتے ہیں

اس کے بندوں کو پریشانی نہ ہو۔ کیا یہ خوبی کسی اور خدا میں بھی ہے ؟ پس بائبل کے خدا کو نہ ماننا خود کشی کا مرادف ہے۔

13۔ خوبی

بائبل کا خدا اپنے بندوں کی لاچاری کی حالت میں مدد کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل کا خدا واحد خدا ہے جو صادق القول اور وفادار ہے اس کی وفاداری ان واقعات سے ظاہر ہے جو کلیسیا میں گذرتے ہیں۔

وہ ظاہری صورت پر نظر نہیں کرتا بلکہ غریب کمینوں اور حقیروں کو جو اس سے ڈرتے ہیں سر بلندی بخشتا ہے اور شریروں کو پٹک دیتا ہے۔

14۔ خوبی

بائبل کے خدا نے بہت سے وعدے کئے ہیں بعض اس جہان میں آئندہ پشتوں کے لئے اور بعض آئندہ جہان کے لئے وہ جو اس جہان کے وعدے تھے ان میں سے اس قدر پورے ہوئے ہیں کہ باقی وعدوں کے پورا ہونے کا کامل یقین ہے کسی خیالی خدا کی جرات ہی نہیں جو ایسے وعدے کرے جو بائبل کے خدا نے کرکے پورے کر دکھلائے اور یہ بھی ایک کامل دلیل ہے کہ یہ خدائے برحق ہے۔

15۔ خوبی

اس خدا نے اپنی قدرت ان معجزوں اور پیش گوئیوں کے وسیلہ سے دکھلائی ہے جس کا ہم سے انکار نہیں ہوسکتا اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ بائبل کا خدا قادر مطلق خدا ہے۔

16۔ خوبی

بائبل والے خدا نے اپنی پاکیزگی اور عزت اور بزرگی یہاں تک دکھلائی ہے کہ انسان کے خیال سے بھی باہر ہے۔ پس یہ خدا انسان کے خیال سے نکلا ہوا نہیں ہے۔

نہ تو اس کی ذات میں بدی ہے اور نہ اس کا خالق ہے اور نہ اپنے لوگوں میں بدی دیکھ سکتا ہے۔

17۔ خوبی

بائبل کے خدا کی راہیں پاک صاف اور سیدھی ہیں لیکن انسانی راہیں گناہ آلودہ اور ٹیڑھی ہیں جس پر انسان بسہویست چل کر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

18۔ خوبی

اس خدا نے اپنا معاملہ نہ جوش وغضب سے نہ خود غرضی سے نہ تحریص سے بلکہ حلم وبردباری وخیر خواہی سے بے رورعایت ہر ایک شخص پر اپنی مرضی کو ظاہر کیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ وہ برحق خدا ہے۔

19۔ خوبی

یہ بائبل کا خدا نہ صرف محبت ہی ظاہر کرتا ہے بلکہ وہ ان لوگوں کو جو اس کے حکموں پر نہیں چلتے ہیں خوف بھی دلاتا ہے۔

20۔ خوبی

اس نے نجات کا حصول صرف مسیح کے کفار پر منحصر رکھا ہے۔ اب کھو کہ یہ تثلیث فی التوحید والاخدا جو بائبل کا خدا ہے سچا خدا ہے یا کوئی اور خدا جو اس خدا سے زیادہ خوبی رکھتا ہے اگر کوئی ایسا خدا ہے تو اسے پیش کرنا چاہیے۔

حضرت داؤد نے خوب کہا

(بائبل مقدس 1 سموئیل رکوع 17 آیت 46) تاکہ سارا جہان جانے کہ اسرائیل میں ایک ہی خدا ہے۔

ملکہ سبا نے خوب کہا

(بائبل مقدس 1 سلاطین رکوع 10 آیت 9)۔ خداوند تیرا خدا مبارک ہو اور یہ کہ خداوند نے اسرائیلیوں کو سدا پیار کیا۔

نبوکد نضر نے خوب کہا

کہ "حقیقت میں تیرا خدا الہٰوں کا الہٰ اور بادشاہوں کا خداوند ہے جو بھیدوں کا فاش کرنے والا ہے ۔ (دانیال رکوع 3آیت 29)۔ میں حکم کرتاہوں کہ جو قوم یا گروہ یا اہل نعت سدرک اور میسک اور عبد نجو کے خدا کے حق میں کوئی نالائق سخن کہے تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائینگے اور ان کے گھر گھورے بن جائینگے کیونکہ کوئی دوسرا خدا نہیں جو اس طرح چھڑا سکے (دانیال رکوع 2آیت 47)۔

حضرت الیاس نے کیا ہی خوب کہا کہ

"اے خداوند ابراہیم واسحاق واسرائیل کے خدا آج کے دن معلوم ہوجائے کہ تو اسرائیل کا خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔" (1سلاطین رکوع 18آیت 36)۔

نعمان آرامی نے بھی خوب کہا

"دیکھ اب میں جانا کہ ساری زمین پر کوئی خدا نہیں مگر اسرائیل میں" (2سلاطین رکوع 5 آیت 15)۔

حاصل کلام یہی بائبل والا خدا جس کی ذات میں تین اقنوم ہیں یہی برحق خدا ہے اور ایسی خوبیاں صرف اسی میں ہیں اس کا قبول کرنے والا خدا کا جاننے اور ماننے والا ہے اور جس نے اسے نہیں مانا وہ اب تک خدا کو جانتا بھی نہیں ماننا تو دور رہا۔فقط۔

بارہواں لیکچر

بدی کا چشمہ

یہ بیان اس لئے کیا جاتا ہے کہ تاکہ ہم سب اپنی بربادی کا باعث دریافت کرکے اس سے بچنے کی تدبیر کریں۔واضح رہے کہ بدی کے بانی مبانی کے دریافت کرنے میں بھی سب لوگ باہم متفق نہیں ہیں بلکہ تین مختلف خیالات میں منقسم ہوتے ہیں۔

پہلا خیال

نیکی اور بدی سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اس نے آپ آدمیوں کی تقدیر میں لکھا کہ وہ فلاں کام کریں اور فلاں کام نہ کریں۔ پس دنیا میں جو کام ہوتےہیں سب خدا کے ارادے اور اس کی تجویز سے ہوتےہیں لہذا انسان مجبور ہے۔

اگر کہو کہ خدا بدی کا خالق نہیں ہے تو اس کا کوئی اور خالق ہوگا اور خدا ہر شے کا خالق نہ رہیگا بلکہ بدی اور نیکی کے دو خالق ہونگے حالانکہ ہر چیز کا خالق ایک ہی خدا ہے۔ اس لئے بدی بھی خدا سے ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے مگر ادب کے طور پر بدی کو اپنی طرف اور نیکی کو خدا کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔

شعر

گناہ اگرچہ نبود اختیار ماحافظ   دو در طریق ادب کوش کو گناہ نست

اس قول کی تردید

ہم کہتےہیں کہ نہ تو بدی کا خالق خدا ہے اور اس کا خالق کوئی دوسرا خدا ہوسکتا ہے ۔ خدا ایک ہی ہے مگر بدی اس سے ہر گز سرزد نہیں ہوسکتی کیونکہ :

(1)خدا جامع جمیع صفات کمال ہے یعنی ساری ناپاکی سے مبرا ہے اور اس کو بدی سے نفرت ہے نہ وہ بدی آپ میں رکھتا ہے نہ اپنے لوگوں میں دیکھ سکتا ہے۔

(2) انسان اپنے ان افعال کی نسبت جن پر سزا وجزا مرتب ہوتی ہے ۔ مجبور نہیں ہے ہاں ان امور میں مجبور ہے جن پر سزاوجزامرتب نہیں ہوتی ہے ۔ مثلاً عمر رنگ ، روپ اولاد غریبی امیری وغیرہ۔

(3) اگروہ اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو بدی پر نہ تواس کی تمیز اسے ملامت کرتی نہ الہام ۔

(4) انسان دو مخالف کششوں میں پھنسا ہوا ہے ۔ اور بغیر اس کی مرضی کے کوئی کشش اس پر موثر نہیں ہوسکتی ہے جس سے اس کے فاعل مختار ہونا ظاہر ہے پس فاعل ہر گز مجبور نہیں ہوسکتا ہے۔

(5) خدا کا جلال اور انسان کی فاعل مختاری سے صاف ظاہر ہے کہ بدی خدا سے نہیں ہے ۔

(6) بدی اور اس کی سزا اگر خدا سے ہے تو یہ الہیٰ محبت اور انصاف کے برخلاف ہے اور سارے گنہگار مظلوم اور خدا ظالم ٹھہرتا ہے۔

(7) یہ عقیدہ نہایت برباد کن عقیدہ ہے۔ اور سب بدکاروں کو بدی پر ایسا ابھارتا ہے کہ گویا وہ بدی میں خدا کی مرضی بجالاتے ہیں اور تمام نصیحت کنندوں کو بے نیاز کرتا ہے۔

اس کی یہ دلیل کہ اگر بدی کا کوئی اور خالق ہے تووہ خدا ثابت ہونگے دووجہ سے باطل ہے ۔

(1) نیکی اور بدی کوئی شئے معتد بہ خارج میں موجود نہیں ہیں مگر ہوامر نیستی ہیں امور مناسبہ کو نیکی کہتے ہیں امور غیر مناسبہ کو بدی ۔ پس جبکہ وہ اس قسم کی شئے ہیں تو ان کا مرتکب خدا کا ثانی کیونکر ہوسکتا ہے ؟

(2) بالفرض اگروہ خیال میں کوئی شئے معتد بہ ہیں تو ان کا فاعل نہ اپنی ذاتی قوت سے ان کا موجد ہے بلکہ اسی قوت عطا کردہ الہیٰ کے بیجا استعمال سے ان کا فاعل ہوجاتا ہے پس وہ کیونکر شریک باری ہوسکتا ہے ۔ مثلاً ایک باپ نے اپنے بیٹے کو کچھ روپے دیئے تاکہ وہ اس کے وسیلہ سے عزت وآرام حاصل کرے مگر لڑکا ان روپیوں کو زناکاری عیاشی میں صرف کرتا ہے تو اب کیا باپ بدکار ہے یا بیٹا اور قوت زناکاری کس کی ہے بیٹے کی یا باپ ظاہر ہے کہ بیٹا بدکار ہے کیونکہ باپ کی عطا کردہ قوت کو بیجا استعمال کرتا ہے۔

نتیجہ

پس خدا ہر گز بدی کا بانی مبانی نہیں ہے بدی کو اس کی طرف منسوب کرنا بڑا گناہ ہے ۔

دوسرا خیال

خدا ہر گز بدی کا بانی نہیں ہے اور شیطان کچھ چیز ہے جس کی طرف بدی کو منسوب کرتے ہیں بلکہ آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ آدمی میں شرارت کرنے کی قوت موجود ہے اس سے بدی پیدا ہوتی ہے ۔

اس قول میں کچھ کچھ سچائی بھی ہے اور کچھ کچھ غلطی بھی خدا میں بدی نہیں اور آدمی بدی کرتا ہے یہ سچ ہے مگر شیطان کے وجود کا انکار غلطی ہے چنانچہ تیسرے خیال میں اس کا ذکر آئیگا۔

یہ تو سچ ہے کہ آدمی میں ایسی طاقت موجود ہے کہ اگروہ چاہے نیکی کرے اور اگر چاہے بدی کرے لیکن انسان اپنی قوت کے استعمال کرنے میں ایک رہبر کا محتاج ہے جس کی ہدایت پروہ نیکی یا بدی کرتا ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر آدمی دوسرے کو بدی سکھلائے تو یہ سلسل کس پر منتہی ہوگا۔ آج ہم اسی پر بحث کریں گے۔

خدا تو بدی سے پاک ہے ۔ اور آدمی اس بارہ میں دوسرے معلم کا محتاج ہے لیکن دوسرا معلم کون ہے عقل اس کے متعلق کچھ نہیں بتلاسکتی ہے اور نہ یہ کہ آدمی نے شرارت کہاں سے سیکھی ۔

بدی کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جو زیادہ ہوشیار اور قوت در ہو تاکہ انسان کو بدی کی طرف زیادہ ترغیب وتحریص دے سکے اور اس کی قوت بیجا طور پر صرف کرائے ۔

اس بات پر بھی فکر کرنا چاہیے کہ جیسے نیکی اور بدی امور نیستی ہیں مناسبت اور غیر مناسبت صرف امر عقلی نہیں ہیں کیونکہ عقل ہدایت کا کافی وسیلہ نہیں ہے مگر عقل والہام دونو مل کر کافی وسیلہ ہیں اس لئے مناسبت وغیر مناسبت بھی عقل والہام سے ثابت ہوگی نہ صرف عقل سے ۔

پس جبکہ نیکی وبدی کا ثبوت عقل والہام پر موقوف ہے تو مبدء شرارت بھی عقل والہام سے ثابت ہونا چاہیے نہ صرف عقل سے ۔

تیسرا خیال

مبدء شرارت شیطان ہے وہی شریر اول ہے اوروہ ایک زور آور اور ہوشیار روح ہے ۔ جو انسان کی جنس سے نہیں ہے اسی کے بہکانے سے انسان نے اپنی قوت کا بیجا استعمال کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں۔

یہ قول اسی الہام کا ہے جس نے ہماری تمام مشکلات میں ہماری مدد کی ہے اور جس کے کل انسان محتاج ہیں۔

لیکن بہت لوگ ایسے ہیں جو اس کی بابت شک کرتے ہیں اور اس کا عقلی ثبوت مانگتے ہیں اس لئے چند دلائل اس کی بابت پیش کرنا مناسب ہے ۔

(1) کیا نہ ممکن ہے کہ اس عالم مادی کے علاوہ ایسا عالم بھی ہو جو غیر مادی اور غیر مرئی ہو۔ ہر گز نہیں پس جب اس قسم کا عالم غیر ممکن نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم وجود ملائکی اور ارواح خبیثہ سے انکار کریں۔

(2) خدا کا ثبوت اور ہماری روحوں کی ہستی کا ثبوت صرف ہمارے اور خدا کے کاموں سے ملتا ہے تو کیا شیطان کی روح کے ثبوت کے لئے شیطانی کام کافی نہ ہونگے ۔

(3) انسان کے اندر دو مختلف ترغیبوں کی آواز سنائی دیتی ہے ایک تو یہ کہ تنگ راستہ پرچلو دوسری یہ کہ کشادہ راستہ پر چلو ۔ پس گراں بحکمت ورزاں بعلت پر سوچنے سے ہم کو خدا اور شیطان صاف دکھائی دیتے ہیں۔

(4) خدا کی روح جن میں آتی ہے ان کی حرکات اور سکنات سے ان کے مختلف زبانیں دفعتاً بولنے سے اور ان کی عجیب قوت ودلیری وپاکیزگی کے حصول سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان میں الہیٰ روح ہے پس جب الہیٰ روح کا دخول ممکن ہے تو کیا ناپاک روح کا داخل ہونا ناممکن ہے ؟

(5) پاک اور ناپاک روحوں کا دخول وخروج تو صاف ظاہر ہے مگر ہماری انانیت دونوں سے صاف جدا معلوم ہوتی ہے یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ غیر روح ہماری روحوں میں اثر انداز ہے ۔

(6) انسانی تجربہ اس پر گواہ ہے کہ لوگ اپنی بد خواہشوں کے ایسے مغلوب ہیں کہ باوجود سخت کوشش کرنے کے بھی اس سے نہیں نکل سکتے ہیں تو کیا انسان اپنی طاقت سے آپ ہی مغلوب ہیں اور اپنی طاقت کو اپنے اختیار میں نہیں رکھ سکتے پس صاف ظاہر ہے کہ ضرور کوئی دوسری خاری قوت ہے جو ان کی قوت سے زیادہ ہے اور ان کو مغلوب رکھتی ہے اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری خارجی قوت انہیں چھڑا بھی سکتی ہے ۔

(7) جب میں نیکی کرنا چاہتا ہوں تو بدی مجھ سے سرزد ہوتی ہے ۔ حالانکہ میں تو ہر گز بدی کا خواہاں نہیں ہوں پس ضرور کوئی خارجی تاثیر میری روح کی بربادی کے درپے ہے ۔

(8) اگر بنظر غور دیکھا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہماری جسمانی اور روحانی نیک اور بد خواہشیں بغیر دو بالاخارجی تاثیرات کے ہر گز بروئے کار نہیں آسکتے ہیں۔

پس یہ ساری باتیں انسان کے اندرونی حالت پر غور کرنے سے پاک روح اور بدروح وناپاک روح کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔

پس اگر شیطان کوئی زور آور روح نہیں ہے تو وہ کون ہے جس نے انسانی روح کو اس بری طرح سے مغلوب کر رکھا ہے اور طرح طرح کے مکروفریب سے خدا کے وصال سے دور رکھا ہے ۔

پس یہ مقدمات ظاہر کرتے ہیں کہ ضرور کوئی روح جو انسان کی روح سے زور آور ہے اور خدا کی مخالف ہے آدمیوں کو ورغلا رہی ہے ۔

اس کے بعد جب ہم الہام پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ شیطان خاص خاص موقعوں پر ظاہر ہوا ہے ۔ اول آدم پر جو خدا کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس دنیا میں پیدا ہوا اور اس کی شان وشوکت اس بدروح کے مکروفریب سے برباد ہوئی۔

دوسرے مسیح کے وقت میں جو آدمیوں کو نجات دینے کے لئے آیا تھا شیطان کی عجب مخالفت نظر آتی ہے ۔

اس کے کام کے شروع ہی میں شیطان کا ایک بڑا حملہ اس پر ہوا لیکن اس نے فتح نہ پائی ۔

پھر مسیح کے کام کے آخر میں اس کی انتہا مخالفت ظاہر ہوئی لیکن مسیح نے اس کے سر کو کچل کر اس پر فتح پائی۔

حالانکہ اس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ شیطان بڑی طاقت والاہے اور بڑامکار ہے اور اس کے پاس بہت فوج ہے جو مسیح کی مخالفت پر ملک یہودیہ میں ظاہر ہوئی۔

اس کے سوا خدا کی بادشاہت جہاں جاتی ہے وہاں شیطان کا بڑا زور نظر آتا ہے کہ آدمی کچھ ہوجائے دنیا پرواہ نہیں کرتی مگر عیسائی ہوجائے تو اس پر چاروں طرف سے شیطان کے شاگردوں کا ہجوم اور بلوہ ہوتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ضرور مسیحی دین خدا کا دین ہے اور اس کی مخالف کوئی روح ہے جو انسانوں کو ابھارتی ہے اور وہی شیطان ہے۔

حاصل کلام

شریر اول اور مبدا شرارت شیطان ہے لیکن اس کی شرارت آدمی کی مرضی سے آدمی میں تاثیر کرتی ہے۔

آدمی کو چاہیے کہ اپنی حفاظت کرے اور اس سے بچنے کے لئے خدا سے پناہ مانگے۔

سوال

شیطان کس کی طاقت سے شرارت کرتا ہے؟

جواب

شیطان بھی ایک مخلوق ہے اور وہ بھی مجبور نہیں بلکہ فاعل مختار پیدا کیا گیا تھا اس نے اپنے اختیار کو بیجا استعمال کیا اور مبداء شرارت ہو کر ابدی سزا کا سزاوار ہوا اور اپنی نجات سے مطلق مایوس ہوا کیونکہ خدا کی درگاہ سے اس پر قطعی سزا کافتویٰ لگ چکا ہے۔ اس لئے وہ نیکی کا دشمن اور بدی کا دوست ہو گیا ہے۔اب اس کا مزہ اسی میں ہے کہ بہت سی روحوں کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جانے کے بمصداق مرگ انبوہ جشنے وارد۔ اس نے قسم قسم کے جال دنیا میں پھیلائے ہیں اور آدمیوں کو اپنی بدی پر نیکی کا ملمع لگا کے لبھاتا ہے اور یوں پھنسا کے برباد کرتا ہے۔

جولوگ اس کے منکر ہیں وہ زیادہ تر خطرہ میں ہیں کیونکہ ان کے دل میں اس کا خوف نہیں رہتا اور نہ وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لہذا اس قسم کے لوگ نہایت آسانی کے ساتھ اس کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔

اور وہ خدا کی صفات متضادہ والاجان کر اپنی بدخواہشوں کو بھی صفات متضادہ کا مظہر قرار دیا کرتے ہیں اور پھر گناہ کو گناہ نہیں جانتے اور بدی میں خوب کھیلتے ہیں۔

پس بھائیو یقین جانو کہ تمہاری جانوں کا دشمن ایک شخص ہے جس کا نام شیطان ہے اور وہ بہت ہی زور آور روح ہے اور بہتوں کو اس نے اپنا مغلوب کیا ہے اس سے بچنے کی اور کوئی راہ نہیں ہے مگر ایک ہی راہ ہے اور وہ صرف مسیح ہے۔ جو لوگ مسیح کے پاس شیطان سے پناہ لینے کو آتے ہیں وہ بچائے جاتے ہیں۔ فقط۔

تیراھواں لیکچر

بدی کیا ہے

گذشتہ لیکچر میں اس امر کاذکرہوا کہ امور نامناسبہ بدی ہیں اور یہ کہ مناسبت وغیر مناسبت کے دریافت کرنے کے لئے عقل کافی نہیں ہے لیکن عقل والہام ہر دو رسے مناسبت وغیر مناسبت خوب معلوم ہوسکتی ہے۔

گناہ یا بدی کی تعریف یوحنا رسول نے یوں کی ہے کہ "گناہ شرع کی مخالفت ہے۔" (انجیل شریف خط اول حضرت یوحنار کورع 3آیت 4)۔

شرع کا لفظ شامل ہے شرع مکتوب فی القلوب پر وشرع مکتوب فی الکتاب پر کیونکہ خلاصہ وتفصیل دونوں ایک بات ہے۔

شرع وہ راہ ہے جس کو خدا نے آدمی کے لئے تجویز کی ہے اسی پر ضمیر دلالت کرتی ہے اور بائبل اسی پر آدمیوں کو چلانا چاہتی ہے پس آدمی کے لئے جو راہ خدا کی طرف سے مقرر ہے اس سے انحراف گناہ یا بدی ہے۔

شیطان نے جب مسیح کی انسانیت کا امتحان کیا تویہی چاہتا تھا کہ اس کو انسانیت کی راہوں سے ہٹادے انسانیت کی راہوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا بھروسہ کامل خدا پر ہو نہ ذرائع پر لیکن شیطان نے پتھر رکھ کرکہا کہ ان کو روٹی بنا اور کیوں بھوکارہتا ہے ؟ مسیح نے جواب دیا کہ انسان خدا کے حکم سے جیتا ہے نہ روٹی سے۔

شیطان نے کہا کہ کنگرے سے نیچے گر کر خدا کو آزما۔ مسیح نے کہا میں بے ایمان نہیں ہوں کہ خدا کو آزماؤں ۔ اور خدا کا وعدہ حفاظت انسان کے راہ راست پر چلنے میں ہے نہ اس کی بے راہی میں انسان کی راہ یہ ہے کہ سیڑھی سے اترے نہ یہ کہ کنگرے پر سے کودتا پھرے۔

شیطان نے کہا کہ مجھے سجدہ کراور سب دنیا کی شان وشوکت لے ۔ مسیح نے کہا انسان کا فرض یہ ہے کہ خدا کوسجدہ کرے نہ کسی مخلوق کو اس لئے دور ہوا ے ملعون ۔

پس جب آدمی اپنی راہ کو جو خدا کی طرف سے اس کے لئے مقرر ہے چھوڑتا ہے تو یہی بدی ہے۔

آدم کے لئے خدا نے ایک راہ مقرر کی تھی کہ ہر درخت سے کھانا مگر اس درخت سے نہ کھانا اس نے اپنی راہ کو چھوڑا تب پہلا گنہگار ہوا ۔ کوئی کہتا ہے کہ مرضی الہیٰ کے خلاف کام کرنا گناہ ہے۔ مگر جو راہیں خدا نے ہمارے لئے مقرر کی ہیں انہیں کا انحراف خدا کی مرضی کا بھی انحراف ہے۔

جو راہیں خدا نے آدمی کے لئے مجلاً اس کی ضمیر میں اور مفصلاً بائبل میں دکھلائی ہیں ان پر آدمی چل کر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرتا ہے توسلامتی کی راہ پر اس کے قدم رہتے ہیں اور وہ ان راہوں سے خدا کے نزدیک پہنچ سکتا ہے۔

لیکن جب ہم خدا کے حق بر باد کرتے ہیں اور ہمسایوں کے حق میں خیانت کرتے ہیں تو بدی کرتے ہیں کیونکہ اپنی راہوں کو چھوڑ دیناہی بدی ہے۔

نتیجہ

خدا کی شرع اور انسان کی ضمیر دونوں ہمیشہ برابر ہیں اور انسان کی بنائی ہوئی شرع ہر گز ضمیر کی تحریکات کے موافق نہیں ہوتی ہے لہذا جو کوئی گناہ سے بچنا چاہتا ہے تو چاہیے کہ اس شرع کے انحراف سے بچے جو ضمیر کی موافق ہوتی ہے نہ صرف اس شرع کے انحراف سے جسے ضمیر ہی جھٹلاتی ہے۔

خدا کا کلام بتلاتا ہے اور انسان بالبداہت دیکھتا ہے کہ کل انسان گناہ میں پھنسے ہوئے ہیں کوئی اس کاجل کی کوٹھڑی یعنی دنیا میں سوا سیدنا مسیح کے بے گناہ نظر نہیں آتا کچھ نہ کچھ داغ سب کو لگاہوا ہے اکتسابی اور موروثی گناہ میں سب پھنسے ہوئے ہیں سب نے اپنی راہوں کو چھوڑا ہے اور سب نے خدا کی شریعت کو توڑا ہے۔

خدا کے کلام میں گناہ کو کوڑھ سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوڑھ کا مرض اندر سے شروع ہوتا ہے گودے اور ہڈی سے پھر جسم پر نمایاں ہوتا ہے اسی طرح گناہ دل سے جو مبداء خیالات ہے اور پختہ ہو کر فعل آمد قول میں ظاہر ہوتا ہے۔

کوڑھ لاعلاج مرض ہے ۔ اسی طرح گناہ کاعلاج بشر سے نا ممکن ہے ۔ کوڑھ ایک متعدی بیماری ہے گناہ بھی سخت متعدی ہے فوراً ایک کو دوسرے سے لگتا ہے۔

کوڑھ ایسی نفرتی بیماری ہے کہ لوگ ایسے بیماروں کو نکال دیتےہیں گناہ اس سے زیادہ تر نفرتی چیز ہے کہ خدا کو اور خدا کے بندوں کو اس سے سخت نفرت ہوتی ہے۔

کوڑھ نسل میں جاری ہوجاتا ہے جیسے گناہ آج تک آدم کی اولاد میں چلاآتا ہے ۔ پولوس رسول گناہ کو موت کا ڈنگ یا نیش بتلاتا ہے جیسے سانپ یا بچھو کا ڈنگ ہوتا ہے ویسے ہی موت کا ڈنگ گناہ ہے جسے نے گناہ کیا وہ جانے کہ موت نے مجھے ڈنگ مارا ہے اگر میں جلدی علاج نہ کروں تو مرجاؤں گا۔

لوگ بڑے مزے کے ساتھ گناہ پر گناہ کیا کرتےہیں کیونکہ گناہ میں جسمانی لذت ملتی ہے اور نہ صرف جاہل بزاری لوگ یہ کام کرتے ہیں بلکہ بعض ایسے لو بھی خوب گناہ کرتے ہیں جو آپ کو شریعت کا معلم یا صاحب علم اور ممتاز شخص جانتےہیں۔ رشوت لیتےہیں۔ بد منصوبے باندھتےہیں۔ جھوٹ بولتےہیں۔ بد نظری کرتےہیں ناچ رنگ میں شریک ہوتےہیں اور شراب پیتےہیں۔ پرائے کا حق کھاجاتےہیں وغیرہ۔

اس دنیا کو گناہ اور بدکاروں نے پوری دوزخ کی ہم شکل بنادیا ہے ۔ انہیں کچھ پرواہ نہیں کہ خدا کی حق تلفی ہوتی ہے یا بندوں کی لیکن وہ اپنی نفس پرستی میں مگن رہتےہیں اپنے انجام نہیں سوچتے ہیں اور دنیامیں مشغول رہتےہیں۔

دوسرا حصہ

گناہ کے نتائج

(1) گناہ خدا کی غیرت کو ابھارتا ہے اور اس کے غضب کو برانگیختہ کرتا ہے۔

چنانچہ ازمنہ سابقہ کی تواریخ اس پر گواہ ہیں کہ کس قدر قومیں اور سلطنتیں اور خاندان اسی گناہ کے سبب برباد ہوئے۔

اور اس زمانہ میں ہم بھی دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کیا سے کیا ہوجاتا ہے ۔ جہاں بدی ہے وہاں بربادی کھڑی ہے ہمارے دیکھتے دیکھتے کتنے خاندان کیا سے کیا ہوگئے ۔ دیکھو بہادر شاہ کے قلعہ میں کیا ہوتا تھا اور اب کیا ہورہا ہے ۔ لکھنئو کے بادشاہ کے گھر میں کیا ہوتا تھا اور اب کیا حال ہے ؟ ان شہروں میں اور ان گھروں میں جہاں بدی ہوتی ہے خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور وہ اپنی مراد کو نہیں پہنچتے بلکہ جلدی برباد ہوجاتےہیں بلکہ ان کی اولاد پر بھی ان کے باپ دادوں کی بدیوں کی سزا نازل ہوتی ہے ۔

(2)خدا کی آسمانی برکات کا نزول گناہ کے سبب سے بند ہوجاتا ہے ۔چنانچہ یرمیاہ نبی کہتاہے کہ تمہاری بدکاریوں نے یہ چیزیں تم سے پھرائیں ہاں تمہاری خطاکاریوں نے ان اچھی چیزوں کو تم سے باز رکھا (بائبل مقدس صحیفہ حضرت یرمیاہ رکوع 5آیت 25)۔ اور بعض اوقات برکات بالکل منقطع ہوجاتی ہیں اور قحط سالی مری اور تنگی اور بے برکتی کا ظہور ہوتا ہے اور یوں خدا تعالیٰ آدمیوں کو ان کے گناہوں پر متنبہ کرتا ہے۔

یہ توعام گناہوں کی تاثیر کاذکر ہے جو لوگوں پر ہوتی ہے ۔ مگر خاص گناہوں کے سبب سے خاص لوگوں کی خانہ خرابیاں اور دل کی سختیاں ظاہر ہوتی ہیں جس کی وجہ سے برکات رک جاتی ہیں اور آقا کی نظر رحمت ماتحتوں کی شرارت کے سبب سے پھر جاتی ہے ۔

(3)ایک اور نتیجہ گناہوں کا جس کو تھوڑی سی فکر کرنے کے بعد جلد دریافت کرسکتے ہیں دل کی بے چینی ہے ۔ بدکار آدمی کیسا ہی بیوقوف اور شرارت میں مگن کیوں نہ رہتا ہو تب بھی اس کے گناہ اس کی ضمیر کو کاٹا کرتے ہیں۔ شاید وہ طرح طرح کی تاویلیں کرکے آپ کو معذرت ثابت کرے لیکن یہ موت کا نیش اس کی ضمیر میں ٹیسیں پیدا کردیتا ہے جب وہ اپنی بدمستی اور شرارت سے ذرا بھی بازآتا ہے فوراً گناہ اس کے دل میں جھبک مارتا ہے اور اس کو موت کے گھاٹ اتاردیتا ہے ۔

(4)الہام جو عقل کا معلم اور استاد ہے وہ زیادہ تر گناہ کے نادیدنی ناقص نتیجہ دکھلاتا ہے اور جب کہ ہمیں اس کے دو تین جانکاہ نتیجوں کا علم ہے تو ہم الہام کے بتلائے ہوئے برے نتائج کا کیونکر یقین نہ کریں۔

گناہ کاپہلا نتیجہ جو الہام بتلاتا ہے یہ کہ ساری مصیبتیں کامنہ نہ دیکھتے اگر کوئی اپنی ضمیر سے پوچھے کہ خدا جو ساری خوبیوں کا سرچشمہ ہے اور جس کی محبت اور الفت اس بدحالت میں بھی ہم پر خوب روشن ہے تو اس نے یہ دنیاوی مصائب اور موت ہم پر کیوں نازل کی ہے تو اس کا سبب

بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم سے وہ ناراض ہے اور ناراضگی کا کوئی اور سبب نہیں ہوسکتا ہے بجز گناہ کے جس کی وجہ سے بطور سزا کے ہم پر یہ آفتیں نازل ہوتی ہیں۔

(5)الہام ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے کہ محدود گناہ کا عذاب غیر محدود ہے اور اس کا سبب یہ بتلاتا ہے کہ گناہ خدا کے سامنے مثل قرضہ کے ہے جب تک کوڑی کوڑی ادا نہ کرو گے سزا میں مبتلا رہو گے لیکن اس کا ادا کرنا انسان کی طاقت سے خارج ہے اس لئے منصف صادق کی کامل عدالت ابد تک سزا میں رکھیگی پس سزا کی ابدیت بھی ہماری وجہ سے ہے کہ ہم قرضہ ادا نہیں کرسکتے ہیں۔ پس اس ابدی عذاب سے چھوٹ جانے کی امید تو ہے مگر ہم سے ممکن نہیں اگر زمین وآسمان میں کوئی اور شفیق رحیم غنی سخی ہو اور ہمارا قرضہ ادا کرکے مہربانی سے ہمیں چھڑائے تو ہم چھوڑ سکتے ہیں۔

(6)الہام ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے کہ اسی زندگی میں اس کا تدرک ہوسکتا ہے کیونکہ تخت عدالت کے سامنے جانے سے پہلے ہم اپنے مدعی کے ساتھ صلح کرسکتے ہیں لیکن جب عدالت میں حاضر ہوجائیں تب ممکن نہیں کیونکہ عدالت میں رحم اور سفارش اور کسی کی مدد کارگر نہیں ہوسکتی ہے۔ ہاں عدالت سے پہلے ہی صلح کرکے اپنا نام مجرموں کی فہرست میں سے کٹواڈالنا چاہیے کہ ہمارا حساب ہی نہ لیا جائے جب حساب لیا گیا اور حکم سزا کا جاری ہوگیا تب امید خلاصی کی نہیں رہی۔

پس اے بھائیو: اگرچہ گناہ نہایت برا ہے اور اس کا عذاب بہت ہی سخت ہے تو بھی اس سے مخلصی کی امید اس زندگی میں ہے اس وقت کو غنیمت جانو اور ذرا سوچو جب تک کہ خدا مل سکتا ہے ملنے کی کوشش کروٹٹولو اور ڈھونڈو اور سب باتوں کو پرکھو دیکھو کوئی بچانے والا تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں۔

نصیحت

بھائیو عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ مَن عرَفَ نفسہ فَقدَ عرَفَ رَبہَ۔ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو بھی پہچانا اگرچہ اس مثل کے معنی لوگوں نے طرح طرح بتائے ہیں لیکن اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ پہلے اپنی حالت پر سوچے کہ میں کون ہوں اور کس حالت میں ہوں جب وہ اپنی حالت پر کچھ واقف ہوجاتا ہے تو اس میں استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ اپنے رب کو بھی پہچانے اور یہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ ہماری اصل تو نہایت خوب ہے کیونکہ ہمارے درمیان ایک روح ہے جو عالم بالا کا ایک جوہر ہے مگر نہایت تباہ حالی میں ہمیں گناہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اور بد خواہشوں کے ہم مغلوب ہوگئے ہیں اور گناہ کا عذاب ہمیں گھیرے ہوئے ہے جس سے خلاصی پانا ہماری طاقت سے ناممکن ہے تب ہماری نظر خدا کی طرف اٹھتی ہے اور ہمارے کان اس کی آواز کو سنتے ہیں۔ جب داؤد پیغمبر پر اس کے گناہ ظاہر ہوئے تو وہ یوں بولا۔" بے شمار برائیوں نے مجھے گھیر لیا میرے گناہوں نے مجھے پکڑا ایسا کہ میں آنکھ اوپر نہیں کرسکتا وہ میرے سر کے بالوں سے شمار میں زیادہ ہیں سو میں نے دل چھوڑ دیا۔ (زبور شریف رکوع 40آیت 12)۔

بھائیوں جب تک ہم گناہ کو ایک ہلکی بات جانتے ہیں اور اس سے گھبراتے ہیں تو ناممکن ہے کہ ہم خدا کو جانیں اور سچائی کو پہچانیں اور مخلصی کے مستحق ہوں۔ یہ پہلی منزل ہے جو خدا شناس لوگوں میں پیدا ہوتی ہے کہ وہ آپ کو گنہگار جانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ یہ خدا کے فضل کا بڑا نشان ہے کہ آدمی آپ کو سخت گناہ کی حالت میں پہچان لے اس وقت خدا کا ہاتھ اس کی امداد کے لئے آگے بڑھیگا۔

یہی سبب ہے کہ بہت سے لوگ حق شناسی کے مدعی ہوکر بھی حق کو نہیں پہچانتے کیونکہ وہ اپنی حالت سے ناواقف ہیں جب ہم اپنی بیماری سے ناواقف ہیں تو اس کے مناسب علاج کب کرسکتے ہیں۔ لیکن جب بیماری کی تشخیص ہوجائے کہ کیا ہے اور کیسی ہے تب ہم مناسب دوا تجویز کرکے یقین کرسکتے ہیں کہ اس سے فائدہ ہوگا اور اگر فائدہ نہ ہو تب دوسری دوا تلاش کرینگے جس دوا سے فائدہ ہوگا ہم اس کو اپنی بیماری کے مناسب جانیں گے۔

پس بھائیو یہی گناہ کی بیماری کل بنی آدم میں ہے جو مذہب اس کا علاج کرسکے وہی خدا کا سچا دین ہے اسی کو جلدی قبول کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ہلاک ہوجاؤ۔ فقط۔

چودھواں لیکچر

طریقِ نجات ازروئے عقل و بائبل

اگرچہ ازروئے عقل ریاضت و نفس کشی او اعمال حسنہ نجات کے وسائل سمجھے گئے ہیں اور قسم قسم کے خیالات اس مقصد کے حصول کے لئے ایجاد ہوئے ہیں مگر وہ سب ایک سرسری نظر سے ناقابل اعتبار ثابت ہوتے ہیں۔

عقل صرف اتنا کہہ سکتی ہے کہ خدا اپنے فضل سے اگر کوئی صورت ہماری نجات کے لئے نکالے تو ہم بچ سکتے ہیں ورنہ انسانی تدبیر انسان کو نجات نہیں دلاسکتی ہے۔

اس بارہ میں عقلی تدابیر کا یہی لب لباب ہے جو بیان ہوا مگر اس سے اگرچہ روح کی نظر ایک نادیدنی غیر معلوم سچائی پر تو قائم ہوجاتی ہے لیکن تسکین نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ باطنی آنکھ کے سامنے سے اندھیرا نہیں ہٹ سکتا جب تک کہ اس کے فضل خاص کا کچھ علم حاصل نہ کیا جائے۔

بائبل نجات کی راہ کیا دکھاتی ہے

بائبل کے دو حصے ہیں۔ عہد عتیق وعہد جدید عیسائی ہر دو حصوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر یہودی صرف عہد عتیق کو مانتے ہیں۔

عہد عتیق میں نجات کی راہ یوں مذکور ہے کہ " مسیح جو ایک عجیب قدرت کا شخص ہے اور زمانہ آئندہ میں ظاہر ہونے والا ہے وہ اپنی قربانی کے وسیلہ سے سب قوموں کے لئے نجات کی راہ تیار کرے گا اور نیز یہ بھی بتلادیا ہے کہ یہ شخص فلاں قوم سے فلاں زمانہ میں فلاں بستی کے اندر ان صفتوں کے ساتھ ظاہر ہوگا۔

عہد عتیق کا یہی لب لباب ہے اور اسی آئندہ شخص پر سب اگلے لوگوں کی نظر لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

شروع میں آدم اور حوا کی نظر بھی اسی شخص پر لگائی گئی تھی کہ وہ " تیرے سر کو کچلیگی اور تو اس کی ایڑی کو کاٹیگا۔" (توریت شریف کتاب پیدائش رکوع 13 آیت 15)۔ یعنی عورت کی نسل سے ایک شخص ظاہر ہوگا جو مرد کے نطفہ سے نہ ہوگا وہی شیطان کا سر کچلیگا اور شیطان اس کی سخت مخالفت کریگا۔ پھر پیدائش رکوع 22 آیت 15 میں ہے کہ " تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائینگی۔" یعنی ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے وہ شخص ظاہر ہوگا اور تمام جہان کی قومیں اس سے برکت پائینگی اور لعنت جو تمام جہان پر پڑی ہے اس شخص کے سبب سے دفع ہوگی اور وہ شخص اپنی قربانی کے وسیلہ سے یہ برکت جاری کریگا کیونکہ اسحاق کی قربانی کی تمثیل کی تشریح میں یہ کہاجاتا ہے اور پیدائش رکوع 21 آیت 12 میں ہے کہ " تیری نسل اسحاق علیہ السلام سے کہلائیگی۔" نہ اسماعیل علیہ السلام سے پس وہ شخص موعود اسحاق سے نکلیگا نیز پیدائش رکوع 49 آیت 10 میں ہے کہ " یہودا سے ریاست کا اعصا جدا نہ ہوگا اور نہ حکومت اس کے پاؤں سے جاتی رہیگی جب تک کہ شیلا نہ آئے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہونگی یعنی وہ سب قوموں کو برکت دینے والا ہے اور اب تک پردہ غیب میں ہے۔ یہوداہ کے فرقے سے نکلیگا (توریت شریف کتاب گنتی رکوع 24 آیت 15 تا 17 میں ہے کہ " پھر اس نے اپنی مثل کہنی شروع کی اور بولا بعو کا بیٹا بلعام کہتا ہے کہ ہاں وہ شخص جس کی آنکھیں کھل گئی ہیں کہتا ہے کہ وہ جس نے خدا کی باتیں سنیں اور حق تعالیٰ کا علم پایا جس نے قادر مطلق کی رویا دیکھی جو پڑا تھا پر اس کی آنکھیں کھلی تھیں کہتا ہے کہ میں اسے دیکھونگا پر ابھی نہیں میں اس پر نظر کرونگا پر نہ نزدیک سے یعقوب سے ایک ستارہ نکلیگا اور اسرائیل سے ایک عصا اٹھیگا اور مواب کے نواحی کو ماریگا اور سب ہنگامہ کرنے والوں کو ماریگا۔" پھر دیکھو استثنار کوع 18 آیت 18 میں ہے کہ " ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا۔"

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو بنیادی کتابیں ہیں انہیں میں اس شخص کا تصفیہ ہوچکا ہے کہ فرقہ یہودا سے نجات دہندہ آئیگا اور انبیا کی کتابوں میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کا حال لکھا ہے۔ (بائبل مقدس صحیفہ حضرت ایوب رکوع 19 آیت 23 میں ہے کہ " میری باتیں اب لکھی جاتیں کاش کہ وہ ایک دفتر میں قلمبند ہوتیں کہ وہ لوہے کہ قلم سے اور سیسے سے پتھر پر نقش کی جاتیں جو ابد تک باقی رہتیں کیونکہ مجھ کو یقین ہے کہ میرا فدیہ دینے والا زندہ ہے اور وہ روز آخر زمین پر اٹھ کھڑا ہوگا اور ہر چند کہ میرے پوست کے بعد میرا جسم کرم خوردہ ہوگا لیکن میں اپنے گوشت میں سے

خدا کو دیکھونگا میں اسے اپنے لئے دیکھونگا اور میری ہی آنکھیں دیکھینگی نہ کہ بیگانہ۔" ایوب پیغمبر کھتا ہے کہ وہ فدیہ دینے ولازندہ ہے اور وہ آئیگا اور میں مردوں سے زندہ ہو کر اسے دیکھونگا۔ زبور شریف رکوع 2 آیت 6 تا 7 میں ہے کہ " میں نے اپنے بادشاہ کو کوہ مقدس صیحون پر بٹھایاہے میں حکم کو آشکارا کرونگا کہ خداوند نے میرے حق میں فرمایا تومیرا بیٹا ہے میں آج کے دن تیرا باپ ہوا۔" یعنی وہ آنے والا بادشاہ خدا کا بیٹا ہوگا۔ یسعیاہ نبی رکوع 53 میں کھتا ہے کہ " وہ ان کی بدکاریاں اپنے اوپر اٹھایئگا۔" یرمیاہ نبی رکوع 23 اور آیت 5و6 میں کھتا ہے کہ دیکھووہ دن آتے ہیں خداوند کھتا ہے کہ میں داؤد کے لئے صداقت کی ایک شاخ نکال دونگا اور نیک بادشاہ بادشاہی کریگا اور اقبالمند ہوگا اور عدالت وصداقت زمین پر کریگا اس کے دنوں میں یہودا نجات پائیگا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کریگا اور اس کا نام یہ رکھا جائیگا خداوند ہماری صداقت "یعنی وہ آنے والا داؤد بادشاہ کے خاندان سے آئیگا اور لوگ اسے اپنا فدیہ جانیں گے اور وہ نہ صرف انسان بلکہ خدا ہوگا۔ دانیال رکوع 9 آیت 24 میں ہے کہ "ستر ہفتے تیرے لوگوں اور تیرے شہر مقدس کے لئے مقرر کئے گئے ہیں تاکہ اس مدت میں شرارت ختم ہواور خطاکاریاں آخر ہوجائیں اور بدکاری کی بابت کفارہ کیا جائے اور ابدی راستبازی پیش کی جائے اور اس رویا پر اور نبوت پر مہر ہو اور اس پر جو سب سے زیادہ قدوس ہے مسح کیاجائے۔" ستر ہفتے مسیح کی پیدائش کی تاریخ بتلاتے ہیں۔

میکاہ رکوع 5 آیت 2 سے 5 میں ہے کہ " اے بیت لحم افراتہ ہر چند کہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ سے وہ شخص نکل کے مجھ پاس آئیگا جو اسرائیل میں حاکم ہوگا اور اس کا نکلنا قدیم سے ایام الازل سے ہے تس پر بھی وہ انہیں چھوڑدیگا اس وقت تک کہ وہ جو جنے کا درد کھانے پر ہے جن چکے تب اس کے باقی بھائی بنی اسرائیل کے پاس پھر آئینگے اور وہ قائم ہوگا اور خداوند کی قدرت سے اور خداوند اپنے خدا کے نام کی بزرگی سے رعایت کریگا اور وہ قائم رہینگے کیونکہ اب وہ زمین کے سوانوں تک بزرگ ہوگا اور یہی سلامتی کا باعث ہوگا۔" یعنی وہ جو آنے والا ہے اور جس کے آنے کا انتظام ازل سے مقرر ہوچکا ہے ۔ اور جس کی خبریں پیغمبروں نے دی ہیں وہ بیت لحم میں پیدا ہوگا اور اپنا کام کرکے پھر دنیا سے صعود کریگا اور جب وہ سب ہونے والاہے ہوچکیگا تب وہ پھر آئیگا اور ابد تک رہیگا اور سب کی سلامتی کا باعث وہی ہوگا۔ اس کے بعد ملاکی کی کتاب جو سارے عہد نامہ عتیق کا خاتمہ ہے اسی آنے والے کی پیش گوئی پر ختم ہوتی ہے۔

اور تمام کتب انبیاء میں اس کثرت سے اس آنے والے کا ذکر ہے کہ اس کی تفصیل سے ایک بڑی مجلد کتاب بن سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پرانا عہد نامہ انسان کی نجات کا انحصار ایک آنے والے شخص پر موقوف کرتا ہے اور نیز اس بات پر کہ اس کی قربانی کے وسیلہ سے سب ایماندار نجات پائینگے۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ

عہد عتیق نجات کاوسیلہ ایک خاص قربانی کو بتلاتا ہے۔ چنانچہ آدم کے زمانہ سے لے کر مسیح کے ظہور تک قربانی ہی نجات کاوسیلہ سمجھی گئی ہے۔

قربانی کے معنی ہیں وہ چیز جس کے وسیلہ سے خدا کی قربت حاصل ہو مگر مسیحیوں کی اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جان کے بدلہ جان دے کر بچنا۔

گو عقل یہ کھتی ہے کہ خدا کے فضل سے بچ سکتے ہیں لیکن فضل کی تخصیص نہیں کرسکتی ہے۔

لیکن بائبل اس کی تخصیص کرتی ہے کہ یہی فضل ہے کہ آدمی کی جان کے بدلے خدا کسی دوسرے کی جان کو لے لے اور آدمی بچ جائے۔

بائبل ایک عجیب قسم کی قربانی بتلاتی ہے

جس کی گھرائی پر نظر کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ فضل جس کو عقل چاہتی ہے یہی قربانی ہے اور بس۔

دفعاتِ ذیل پر غور کیجئے

(1) الہیٰ عدالت کا انسان پر یہ فتویٰ ہے کہ اپنا قرضہ پورا ادا کردے یا مارا جائے ۔ لیکن پورا قرضہ ادا کرنا انسان کے لئے محال ہے لہذا ہمشہ تک غضب الہیٰ میں رہنا اس کے لئے ضروری ہے جس کو ہم

اپنی اصطلاح میں موت کہتے ہیں۔ اب بجز اس کے کہ انسان خدا کے رحم پر بھروسہ رکرے اور کوئی چارہ نہیں لیکن رحم اور عدل ایک ساتھ جاری نہیں ہوسکتے لہذا عقل اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہے۔

(2)لیکن بائبل مقدس اس مشکل مسئلہ کو یوں حل کرتی ہے کہ ایک جان کے عوض میں دوسری جان بطور کفارہ سزا اٹھاسکتی ہے تاکہ رحم اور عدل کا اقتضا پورا ہو لیکن شرائط ذیل:

(3)پہلی شرط یہ ہے کہ وہ دوسرا جو کفارہ دیتا ہے۔ سراسر گناہوں سے پاک صاف اور معصوم ہو۔

(4)دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قربانی مبادلہ کی صورت میں یعنی اپنی نیکی تجھے دے اور تیری بدی آپ اٹھائے اور اپنی مرضی سے۔

(5)اس قسم کی قربانی کا قبول ہوجانا یقینی ہے کیونکہ آسمانی آگ جو خدا کا غضب ہے وہ اس قربانی کو بھسم کرڈالیگی اور گنہگار بچ جائیگا۔

(6) لیکن عہد عتیق کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے پیدا ہونے سے قبل آدمی کے بدلے جانور ذبح کئے جاتے تھے حالانکہ مناسب یہ تھا کہ آدمی کے بدلے آدمی ذبح کیا جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شرط کے روسے کوئی آدمی بے عیب نہ تھا اس لئے بے عیب جانور کی تلاش ہوتی تھی لیکن جب بے عیب انسان پیدا ہوا تو بے عیب جانوروں کی ضرورت نہ رہی۔ بمصداق آنکہ آب آمد تیمم برخاست۔

(7)بے عیب انسان کے بدلے میں بے عیب جانور اس لئے ذبح کیا گیا تھا کہ جانوروں سے انسان کی پرورش ہوتی ہے اور جس طرح کہ تمام رسمی شریعت جسمانی تھی اور روحانی مطلب پر اشارہ کرتی تھی اسی طرح جانوروں کی قربانی بھی حقیقی قربانی پر اشارہ کرتی تھی کہ انسانی روح کی پرورش اس بے عیب انسان کی قربانی سے ہوتی ہے۔

(8)یہی وجہ ہے کہ ان جانوروں کی قربانی سے لوگ کامل صحت نہیں پاسکتے تھے کیونکہ وہ حقیقی قربانی نہ تھی بلکہ حقیقی قربانی کا عکس تھا یا بعبارت دیگر مجازی قربانی حقیقی قربانی کے قائم مقام تھی۔

(9) آدمی اور جانور میں کیا برابری تھی کچھ بھی نہیں کیا جانور انسان کے مساوی ہوسکتا ہے ہر گز نہیں اور نہ جانور اپنی مرضی کا اظہار کرسکتا ہے کہ وہ خوشی سے انسان کا فدیہ ہورہا ہے۔ اس رسم کے مقرر کرنے سے خدا کی مرضی یہی تھی کہ انسان حقیقی قربانی کے لئے تیار کیا جائے لیکن معرفت سے بے بہرہ لوگ اسی کو اصل سمجھتے تھے اور یہ ان کی غلط فہمی تھی۔

(10)خدا کا مطلب تھا کہ ایک نیا آدمی گناہ کے سلسلے سے الگ ہو کر عورت کی نسل سے پیدا ہو جس میں موروثی اکتسابی گناہ نہ ہو اور کامل انسان ہو۔ تاکہ سارے جہان کے گناہ کے لئے قربان ہو اور اس کی قربانی سے بائبل کی تمام گذشتہ قربانیاں تکمیل پائیں اور آئندہ کو وہی سب کے حق میں کامل قربانی ہو اور اسی کی قربانی سے برگزیدوں کی تمام روحیں غذا حاصل کریں۔

(11)چونکہ انسان میں یہ طاقت نہ تھی کہ سارے جہان کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے اور خدا کا سارا قہر جو تمام گنہگاروں پر نازل ہونے والا ہے سہار سکے۔ اس لئے اس نے اس کی انسانیت کے ساتھ اپنی الوہیت کو بھی شامل کیا اور اقنوم ثانی نے جسم اختیار کیا تاکہ اس بھاری مہم کو فتح کرے۔

(12)جب اقنوم ثانی اس مقصد کے لئے مجسم ہو کر آیا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ ارادةً ہمارا فدیہ ہوا۔

(13)اب ہماری طرف سے بھی اس ارادہ کی ضرورت ہے کہ ہم اس پر ایمان کے ہاتھ رکھیں تاکہ مبادلہ کی شرط پوری ہو۔

(14)یہی کامل قربانی ہے کہ کیونکہ آدمی کے بدلہ میں آدمی لیا جاتا ہے نہ جانور اور آدمی بھی معصوم ہے مبادلہ کا ارادہ بھی ہے اور اب صرف ہماری قبولیت کی شرط باقی ہے۔

(15) یہ شخص اپنی پاکیزگی اور راستبازی ہمیں عنایت کرتا ہے اور ہمارے گناہوں کو لے کر غضب الہیٰ کی آگ میں جلادیتا ہے۔

(16)ایک آدمی کے سبب سب پر غضب آیا تھا اب ایک ہی آدمی کے سبب سے سب پر برکت آتی ہے۔

(17) یہ قربانی دینے والا شخص سیدنا مسیح ہے جو قدوس ہے وہ سب کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوا اور خدا کے غضب سے ہمیں رستگاری بخشی۔

(18)جب سے اس نے اپنی قربانی گذرانی ہے تب سے کروڑوں روحیں گناہوں سے سبکبار ہو گئیں اور اس کی پاکیزگی نے یہ ثابت کردیا کہ اس نے ہمارے ساتھ حقیقی مبادلہ کرلیا ہے۔ پس لازم بلکہ فرض ہے کہ آپ اس شخص کے متعلق دیانت اور صداقت کے ساتھ غور خوض کریں۔

پندرھواں لیکچر

مسیح عہد عتیق میں

گذشتہ لیکچر میں یہ بتلایا گیا کہ پرانا عہد نامہ پیغمبروں کے ذریعہ یوں بتلاتا ہے کہ آنے والا زمانہ میں ایک شخص ظاہر ہونے والا ہے جو اپنی قربانی کے وسیلہ سے سارے جہان کے لئے نجات تیار کرے گا اور نیز یہ بیان ہوا کہ اس زمانہ کے لوگ اس شخص کی طرف تاکتے تھے جیسے اب ہم اس کی طرف تاکتے ہیں پس ہماری اور ان کی مطمع نظر ایک ہی شخص ہے آج ہم اس کا امر کا بیان کرینگے کہ وہ لوگ کس اعتقاد سے اس کی طرف تاکتے تھے اور ہم کس اعتقاد سے اس کی طرف دیکھتے ہیں۔

ہمارا جو اعتقاد ہے وہ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کامل خدا اور کامل انسان ہے اور وہ اپنے کفارہ اور جی اٹھنے سے ہمیں نجات دیتا ہے۔ اور ہمارے اس اعتقاد کی بنیاد انجیل جلیل کی تعلیم پر قائم ہے۔

مگر اس وقت اس بیان کی ضرورت ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کا مسیح کی نسبت کیا اعتقاد تھا نجات کے اعتبار سے وہ توجیسا کہ بیان ہوا مسیح ہی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے مگر ان کا یہ عقیدہ کہ مسیح کون ہے اور کیا ہے ذیل کے اقتباسات سے واضح ہوتا ہے۔

اگرچہ مسیح کی ذات وصفات اور کاموں اور واقعات کا بیان پرانے عہد نامہ کی اکثر عبارتوں کے درمیان صاف صاف اسی طرح بیان ہوا ہے جس طرح انجیل میں ہوا ہے۔ مگر اس مسیح کی کیفیت خدا نے جو ہمہ دان ہے اگلی امت پر اس کے القاب میں بخوبی ظاہر کردی تھی اور القاب کا طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ القاب چھوٹے چھوٹے لفظ ہوتے ہیں جن کو سب لوگ باآسانی یاد رکھ سکتے ہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ واقعات عظیمہ کے وقوع سے پیشتر اور اس کی ذات اقدس کے ظہور سے پہلے اس کی ضروری کیفیت کے اصولی مضامین چھوٹے چھوٹے الفاظ کے القاب میں لوگوں کے دلوں پر بطور عقیدہ نقش کا لحجر کردے۔تاکہ ان عقائد کے سبب سے وہ ہلاکت ابدی سے بچیں۔ اور وہ جو ظہور کے بعد پیدا ہونگے اپنے اسلاف کے ان عقائد کو دیکھ کر ایمان میں زیادہ مضبوطی حاصل کریں۔

اب ہم ان القاب پر غور کرینگے جو منجی کی نسبت عہد عتیق میں مذکور ہیں

پہلا لقب آنے والا المسیح ہے (دانیال رکوع 9 آیت 25)۔ مسیح اور المسیح میں بڑا فرق ہے۔ بادشاہ اور کاہن اور نبی تیل سے مسح کئے جاتے تھے اور مسیح کہلاتے تھے۔ مگر المسیح وہ خاص مسیح ہے جس کے وہ سب نمونے تھے اور تینوں عہدے اس میں مکمل ہوجاتے ہیں۔

دانیال رکوع 9 آیت 25 "اور اس پر جو سب سے زیادہ قدوس ہے مسح کیا جائے گا۔(زبور شریف رکوع 45 آیت 6و7)۔ "تیرا تخت اے خدا ابدالاباد ہے تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ اس سبب سے خدا تیرے خدا نے تجھ کو خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا۔"

(بائبل مقدس صحیفہ حضرت ذکریا رکوع 3 آیت 8)" اب اے یہوشوع سردار کاہن سن تو اور تیرے رفیق جو تیرے آگے بیٹھے ہیں کیونکہ یہ اشخاص بطور نشانی کے ہیں کہ دیکھ میں اپنے بندے شاخ نامی کو پیش لاؤنگا۔"

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ المسیح آنے والا ہے مگر انجیل بتلاتی ہے کہ جب المسیح آیا اور 30 برس کا ہوکر ممسوح ہونے کو یردن ندی پر یوحنا کے سامنے گیا تو خدا نے آپ اسے روح القدس سے ممسوح کیا اور کبوتر کی شکل میں اس پر روح القدس نازل ہوئی اور آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میرا دل خوش ہے۔

پھر اس شخص کی زندگی کے واقعات اور وہ سب معجزات جو اس سے ظاہر ہوئے بخوبی ثابت کرتے ہیں کہ یہ المسیح ہے۔

دوسرا لقب الملک ہے ۔ وہ ایک خاص بادشاہ ہے سلطانوں کا سلطان خداوندوں کا خداوند۔" اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضہ میں نہ پڑیگی وہ ان سب مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کریگی اور وہی تا ابد قائم رہیگی۔" (دانیال رکوع 2 آیت 44)۔

(صحیفہ حضرت ذکریا رکوع 9آیت 9)۔ "دیکھ تیرا بادشاہ تجھ پاس آتا ہے وہ صادق ہے اور نجات دینا اس کےذمہ میں ہے وہ فروتن ہے اور گدھے پر بلکہ جو ان گدھے پر ہاں گدھے کے بچہ پرسوار ہے۔" پرانے عہد نامہ میں اس بادشاہ کےذکر میں بہت کچھ لکھا ہے ۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ روحانی وجسمانی دونوں طرح سے بادشاہ ہوگا اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہودی جانتے تھے کہ وہ بادشاہ جوآنے والاہے وہی المسیح ہے۔

چنانچہ جب مسیح پیدا ہوئے اور نجومی آئے تو انہوں نے کہا کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے کہاں ہے ؟ تب فوراً ہیرودویس نے کہا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آنے والا بادشاہ مسیح ہے۔ اور علمائے یہود نے یہی جواب دیا کہ کہ (صحیفہ حضرت میکاہ رکوع 5آیت 2)۔ "اے بیت لحم افراتہ ہر چند کہ تو یہودا کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے وہ شخص نکل کے مجھ پاس آئے گا جو اسرائیل میں حاکم ہوگا اور اس کا نکلنا قدیم سے ایام الازل سے ہے۔ قس پر بھی وہ انہیں چھوڑدیگا اس وقت تک کہ وہ جو جننے کا درد کھانے پر ہے جن چکے تب اس کے باقی بھائی بنی اسرائیل کے پاس پھر آئینگے ۔(صحیفہ حضرت میکاہ رکوع 5آیت 2و4)۔

چونکہ یہ حقیقی بادشاہ ہے اس لئے اس کی بادشاہت کا شروع انسان کے دل میں ہوتا ہے اس لئے اس کے نقیب یوحنا نے توبہ کی منادی کی کہ " توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے۔" اس بادشاہ کی رعیت بننے کے لئے دل کی تیاری ضروری ہے تاکہ خوشی کے ساتھ اطاعت کی جائے اور روحانیت جسمانیت پر غالب آجائے ۔ یہاں تک کہ سب کچھ نیاہوجائے اسی بادشاہ کے انتظام سے جہان کامل ہوگا کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے۔ اور اس کا سب سامان روحانی ہے ۔

تیسرا لقب خداوند کا بازو ہے ۔(صحیفہ حضرت یسعیاہ رکوع 51آیت 9)۔ یہ لقب اس کی قوت اور قدرت کوظاہر کرتاہے کہ اس میں کس قسم کی طاقت ہوگی۔

سیدنا مسیح کے واقعات صاف گواہی دیتےہیں کہ وہ خدا کا بازو تھا۔ انسانوں اور فرشتوں اور تمام موجودات میں جوطاقت دیکھی جاتی ہے ان سب سے نرالی طاقت مسیح ظاہر ہوئی ہے ۔

مسیح کی نجات دہندہ طاقت سے ہر ملک کے عارف لوگ جان سکتےہیں کہ خدا کا بازو ہماری مدد پر ہے اس کی قدرت سے جو روحوں پر اور انسانی خیالات پر اور دریاؤں پر اور ہواؤں پرظاہر ہوئی صاف ثابت ہوتاہے کہ وہ خدا کا بازوہے۔

اس کی قدرت جو اپنی جماعت کے بڑھانے اور پھیلانے میں اور مدد کرنے میں دیکھی جاتی ہے صاف گواہی دیتی ہے کہ وہ خدا کا بازو ہے۔

چوتھا لقب عجیب ، مشیر ، خدا قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ ہے (صحیفہ حضرت یسعیاہ رکوع 9آیت 6)۔ فی الحقیقت یہ سارے اوصاف سیدنا مسیح میں پائے جاتےہیں اور ان پانچوں لفظوں کے مفہوم کامل طورپر اسی شخص میں چسپاں ہوتےہیں (عجیب) اس کی پیدائش سے صعود تک عجیب باتیں اس میں دیکھی گئیں اور آج تک عجیب بھید اس سے ظاہر ہوتےہیں۔

(مشیر) وہ آدمیوں کو عمدہ صلاح دیتا ہے ایسی صلاح دینے والا ایک بھی جہان میں نظر نہیں آتا۔ وہ خدا باپ کے ساتھ ازل سے مشیر تھا۔

(خدائے قادر)ظاہر ہے کہ اس میں کامل الوہیت تھی۔

(ابدیت کا باپ) وہ تومردوں میں سے جی اٹھا اور ابد تک زندہ ہے۔

(سلامتی کاشہزادہ) وہ خدا کا بیٹا ہماری سلامتی کا باعث ہے ۔

(پانچواں لقب) ساری قوموں کی آرزوہے (پیدائش رکوع 49آیت 10 اور صحیفہ حضرت حجی رکوع 2آیت 7)۔ نہ صرف یہودیوں کی آرزو ہے اور ایک وقت ایسا آنے والاہے کہ سب جانینگے کہ وہی ہماری آرزوہے۔

چھٹا لقب حکمت ہے (امثال رکوع 8آیت 12)۔ یہ مضمون ایسی خوبی کے ساتھ سیدنا مسیح میں پایا جاتاہے جس کا کوئی آدمی انکار نہیں کرسکتا کیونکہ سیدنا مسیح کی تعلیم سے سارے جہان کے عقلا حیران ہیں اور ہر دانائی اس کی صفائی کے سامنے ماند ہے ۔ چنانچہ نہ اس وقت کوئی دانائی اس کا مقابلہ کرسکی اور نہ آج تک کوئی دانا اس سے بہتر تعلیم دے سکا۔

ساتواں لقب خداوند خدا ہے (صحیفہ حضرت یسعیاہ رکوع 4 آیت 10)۔ "دیکھو خداوند خدا زبردستی کے ساتھ آئیگا۔" آیت 5میں ہے کہ " خداوند کا جلال آشکارا ہوگا۔"

ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کو جن صفتوں کے ساتھ عقل نے دریافت کیاہے وہ سب صفتیں اس شخص میں پائی جاتی ہیں اگر یہ شخص خدا نہ تھا تو پھر کون خدا ہے جس کی ہم امید کریں ؟ جتنی صفات ہم خدا میں تسلیم کرتے ہیں وہ سب مسیح میں موجود ہیں پھر کیوں ہم نہ یہ کہیں کہ وہ خدا ہے ؟

آٹھواں لقب خداوند ہماری صداقت ہے (یرمیاہ رکوع 23 آیت 6)۔ اس کا نام یہ رکھا جائیگا کہ خداوند ہماری صداقت ۔" سارے مسیحی دین کا حاصل یہ ہے کہ مسیح ہماری وہ نیکی ہے جس کو ہم خدا کے سامنے پیش کرسکتے ہیں ہم صرف مسیح کے طفیل سے بچینگے نہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے چنانچہ مسیح کے سوا اور کسی نے اس امر کا مدلل دعویٰ نہیں کیا ہے۔

نواں لقب اس کا اعمانویل ہے۔(یسعیاہ رکوع 7 آیت 4)۔ یعنی خدا آدمیوں کے درمیان آگیا ہے۔

سیدنا مسیح جو مجسم خدا ہے یہ اس کی ذات کا بیان ہے جس کا ثبوت اس کی عصمت قدرت علم حکمت اور سارے واقعات دیتے ہیں۔

دسواں لقب ہمتائی خدا ہے (ذکریا رکوع 13 آیت 7)۔ یعنی ایک انسان ہے جو خدا ہے۔

اسی طرح شاخ داؤد کی اصل، داؤد کی نسل اسرائیل کا قدوس خدا کا فرشتہ عہد کا رسول شریعت کا دہندہ شاہد ستارہ شیلوہ خلق کا پیشوا اور آفتاب صداقت وغیرہ اس کے القاب ہیں اور ان القاب کے مفہومات صرف اسی شخص سیدنا مسیح میں ادا ہوجاتے ہیں۔ ہمارا جو کچھ اعتقاد مسیح پر ہے وہی اعتقاد ہے جو اگلوں پیغمبروں کا اور ان کی امت کا تھا صرف اتنا فرق ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ایک ایسا شخص آنے والا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ وہ آگیا پس بھایئوں یہ بے فکری کا وقت نہیں ہے۔ سیدنا مسیح کے متعلق دیانتداری کے ساتھ غور کرو اور اسی کو مدنظر رکھو تب تمہیں خداشناسی کی مقدرت حاصل ہوجائیگی۔

فقط

والسلام عماد الدین لاہز